جامعہ دار التقویٰ
لاہور کا ترجمان

ماہنامہ

دار التقویٰ

لاہور

محرم الحرام
۱۴۴۷ھ
جولائی 2025ء

بیویوں میں برابری

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل ومناقب

معروف حدیث قدسی کا تحقیقی جائزہ

نواسۂ رسول سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب

گلدستہ ارشادات ومکتوبات حضرت جیؒ

ہجری سال کا آغاز اور مہینوں کے ناموں کی وجوہات تسمیہ

TAQWA SCHOOL SYSTEM

TSS
TAQWA SCHOOL SYSTEM

Summer Camp 2025

14 JULY - 10 AUGUST 2025
8:00 AM - 11:00 AM

Activities:

- ✓ Seerah Classes
- ✓ Computer Courses with Certification
  - Web Development
  - C Language Basics
  - Office 365
  - Canva Tutorial
- ✓ Academics
- ✓ Amazing Trip
- ✓ Tarbiyah Sessions
- ✓ Personality Development

ENROLL NOW

0328-4877877

Follow us on instagram: @systemtaqwaschool

Location: Near Masjid Al-Hilal, Chauburji Park, Lahore.

ترجمان جامعہ دار التقویٰ لاہور

ماہنامہ دار التقویٰ لاہور

بدعاء
حضرتِ اقدس ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جلد 15 محرم الحرام ۱۴۴۷ھ ــــ جولائی 2025 شمارہ 1

زیرِ سرپرستی: حضرت مولانا یوسف خان صاحب مدظلہ

مدیر: حضرت مولانا اویس احمد صاحب مدظلہ

مدیر مسئول: مولانا محمد سلیمان بن محمد یوسف صاحب

مجلس مشاورت
- حضرت مولانا عثمان صاحب
- حضرت مولانا عامر رشید صاحب
- حضرت مولانا جمیل الرحمٰن صاحب

مجلس ادارت
- مفتی محمد اسامہ صاحب
- مولانا ذوالکفل صاحب
- حافظ فہد اعوان صاحب

خط و کتابت کا پتہ

دفتر ماہنامہ دار التقویٰ جامع مسجد الہلال چوبرجی پارک لاہور

فون نمبر: 03214432106 : 03214432142

سالانہ رسالے کے اجراء کے لیے مذکورہ پتہ پر منی آرڈر کریں

مقام اشاعت
جامع مسجد الہلال
چوبرجی پارک لاہور

بینک اکاؤنٹ نمبر
1591001820660001
ٹائٹل اکاؤنٹ دار التقویٰ ٹرسٹ
ایم آئی بی (مسلم کمرشل بینک)

Email Address
Monthlydarultaqwa@gmail.com

اس دائرے میں سرخ نشان مدت خریداری کے ختم ہونے کی علامت ہے

فی شمارہ: 100 روپے
سالانہ بدل خرچ: 1200 روپے
ڈاک خرچ: 300 روپے

مطبع: شرکت پرنٹنگ پریس

ترجمان جامعہ دارالتقویٰ لاہور

ماہنامہ دارالتقویٰ لاہور

فہرست

محرم الحرام ۱۴۴۷ھ ----- جولائی 2025

حرفِ اولیں

سانحہ سوات — محمد سلیمان بن محمد یوسف — 5

درسِ قرآن

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل ومناقب — مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ — 8

درسِ حدیث

بیویوں میں برابری — مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحبؒ — 14

مقالات ومضامین

ہجری سال کا آغاز اور مہینوں کے ناموں کی وجوہات تسمیہ — مولانا لئیق احمد — 16

قرآنی آیات اور موافقات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ — مولانا محمد سلیمان — 21

نواسہ رسول سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب — مولانا اجمل خانؒ — 28

معروف حدیث قدسی کا تحقیقی جائزہ — مولانا جواد الٰہی صاحب — 33

گلدستہ ارشادات ومکتوبات حضرت جیؒ — حافظ محمد فہد اعوان — 42

صحابہ کرام کی محنت ومجاہدے — حضرت مولانا محمد ابراہیم دیولا صاحب — 44

سوانح مولانا سعید خان — ادارہ — 50

نکلتے سورج کا ملک جزائر فیجی کا ایک سفر — شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ — 55

شانِ فاروق اعظم (نظم) — محمد جریر اسعد — 60

آپ کے مسائل کا حل — دارالافتاء والتحقیق — 62

اخبار الجامعہ — محمد سلیمان بن محمد یوسف — 66

حرف اولیں

سانحہ سوات

پاکستان کا شمالی علاقہ، خاص طور پر سوات، ایک عرصے سے سیاحت کے لیے جنت سمجھا جاتا ہے۔ یہاں کے دریا، پہاڑ، سبزہ زار اور خوشگوار موسم ہر سال لاکھوں لوگوں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ یہی کشش سیر و تفریح کے شوقین خاندانوں، نوجوانوں اور طلبہ کو یہاں لاتی ہے، مگر یہ خوبصورتی خطرات سے بھی بھری ہوئی ہے۔ حالیہ سانحہ سوات میں ایک خوشگوار پکنک موت کے سناٹے میں بدل گئی، جب دریا کی بے رحم موجوں نے کئی معصوم جانیں نگل لیں اور خوشی کی چیخیں پل میں نوحوں میں تبدیل ہو گئیں۔

یہ حادثہ چیخ چیخ کر ہمیں بتا رہا ہے کہ ہم نے تفریح کو غیر ذمہ داری، غفلت اور دکھاوے کا میدان بنا دیا ہے۔ ہم نے سیر کو ایک مقدس موقع کی بجائے سوشل میڈیا پر خودنمائی کا ذریعہ سمجھ لیا ہے۔ ندی کنارے خطرناک پتھروں پر کھڑے ہو کر تصاویر بنانا، سیلفیاں لینا، اپنی بہادری کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کرنا یہ سب اس سانحے کے بنیادی اسباب بنے۔

اس واقعہ سے ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم اپنی نئی نسل کو صحیح شعور دے رہے ہیں؟ کیا ہمارا معاشرہ ان نوجوانوں کو سکھا رہا ہے کہ جان اللہ کی امانت ہے، اور اس کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے؟

اگر اس واقعہ کی وجہ تلاش کریں تو وہ موبائل کی لا علاج بیماری سیلفی کی شکل میں معلوم ہوتی ہے آج کے والدین اپنے بچوں کی تربیت میں مذہب، اخلاق اور ذمہ داری جیسے بنیادی اسباق بھول چکے ہیں۔ اور سچ یہی ہے: اگر ہم بچوں کو صرف سیلفی، ویڈیو اور دکھاوے کا شوق سکھائیں گے تو وہ خطرے کی پروا کیوں کریں گے؟ سوشل میڈیا پر واہ واہ سننے کی خواہش ان کی زندگیوں سے زیادہ اہم کیوں بن گئی ہے؟ یہ صرف نوجوانوں کا نہیں، پورے معاشرے کا المیہ ہے۔

اس واقعے نے یہ بھی سکھایا کہ موجودہ دور میں 'سیلفی' محض تصویر نہیں رہی، یہ انسانی جانوں کے لیے خطرہ بن چکی ہے۔ والدین کو چاہیے کہ بچوں کو نہ صرف اخلاق سکھائیں بلکہ سوشل میڈیا کی اس خبط کی تباہ کاریوں سے بھی آگاہ کریں، اور خود بھی اپنی حرکات سے انہیں مثبت مثال فراہم کریں۔

یہ سانحہ اس طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ سفر سے پہلے مکمل معلومات اور تیاری کتنی ضروری ہے۔ سوات جیسے دشوار گزار علاقوں میں جانے والے خاندان یا گروپ اگر پہلے علاقے کے بارے میں جانکاری لیں، موسم کی پیش گوئی چیک کریں، دریا یا ندیوں کی روانی سے متعلق مقامی لوگوں سے پوچھیں، اور اپنے بچوں کو خطرے کے مقامات سے دور رکھیں تو ایسے حادثات کم ہو سکتے ہیں۔ سفر سے پہلے دعا پڑھ کر نکلنا، نماز کا اہتمام کرنا، اللہ سے حفاظت کی دعا مانگنا یہ سب محض مذہبی رسوم نہیں بلکہ عملی حفاظتی تدابیر ہیں، کیونکہ دلوں کی حفاظت بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

سانحہ سوات میں اہلِ علاقہ کا کردار ہمارے لیے سبق آموز ہے۔ وہ مقامی لوگ، جو عموماً سیاحوں کے ساتھ برے سلوک کی شکایت کرتے ہیں، انہوں نے اپنی جان کی پروا کیے بغیر ڈوبنے والوں کو بچانے کی کوشش کی، اپنی کشتیوں، رسیوں اور انسانی زنجیروں سے لاشیں نکالنے میں مدد دی، اور شدید صدمے میں بھی حوصلہ نہیں ہارا۔ یہ انسانی ہمدردی کا عملی مظاہرہ ہے، اور ثابت کرتا ہے کہ مصیبت کے وقت میں انسانیت اب بھی زندہ ہے لیکن سوال یہ ہے کہ حکومت اور انتظامیہ کہاں تھی؟

اتنا بڑا حادثہ سرکاری ذمہ دار حضرات سے چیخ کر سوال کر رہا ہے کہ کیا ان مقامات پر ریسکیو اسٹاف اور لائف گارڈز تعینات کیے تھے؟ کیا خطرناک مقامات پر وارننگ بورڈز موجود تھے؟ کیا سیاحوں کو مقامی انتظامیہ کی جانب سے کسی قسم کی آگاہی دی گئی؟ اگر ان سب سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو اس سانحے کی ذمہ داری صرف افراد پر نہیں بلکہ انتظامیہ پر بھی عائد ہوتی ہے، جو ہر سال کروڑوں روپے سیاحت کی آمدنی کی شکل میں اکٹھے کرنے کے باوجود سیاحوں کی حفاظت کو یقینی نہیں بناتی۔

اب بھی وقت ہے کہ صوبائی حکومت اس المیے کو سنجیدگی سے لے پکنک اسپاٹس پر ہنگامی طبی مراکز، ریسکیو ٹیمیں، لائف گارڈز، اور انتباہی سائن بورڈز لگائے۔ سیاحوں کی رہنمائی کے لیے مقامی گائیڈز کی خدمات لے اور کسی بھی ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لیے جامع حکمت عملی ترتیب دے۔ ورنہ سوات جیسے خوبصورت مقامات کی سیر کرنے والے مزید خاندان کبھی خوشی اور کبھی موت کے بیچ جھولتے رہیں گے۔

یہ سانحہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ زندگی اور موت کا فاصلہ کتنا مختصر ہے۔ پل بھر پہلے جو لوگ خوشی سے چیخ رہے تھے، وہی لمحوں میں لاش بن کر پانی پر تیرنے لگے۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے:

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ"

''تم جہاں کہیں بھی ہو، موت تمہیں آ پکڑے گی چاہے تم مضبوط قلعوں میں ہی کیوں نہ ہو۔''

یہ آیت بتاتی ہے کہ ہم کہیں بھی ہوں، کسی بھی حالت میں، موت ہمارے قریب ہے اور اس کا وقت مقرر ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی زندگی کو موت کی تیاری میں گزاریں۔ صرف تفریحی سفر ہی نہیں، بلکہ زندگی کے ہر موڑ پر ہمیں چاہیے کہ اللہ کو یاد رکھیں، اپنی ذمہ داریوں کو نبھائیں اور خود کو ہر وقت آخرت کے سفر کے لیے تیار رکھیں۔

آخری اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہمیں اس واقعے سے سبق لے کر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں تبدیلی لانی ہوگی۔ دنیا کی چمک دمک اور سوشل میڈیا کی وقتی شہرت ہمیں زندگی کی اصل حقیقت سے غافل نہ کرے۔ موت کا پیغام ہمیں ہر جگہ مل رہا ہے، مگر افسوس کہ ہم اس سے سبق لینے کے بجائے خود کو غفلت میں مزید گم کر رہے ہیں۔ اگر اب بھی ہم نے اپنی اصلاح نہ کی تو نہ جانے اگلا سانحہ کب، کہاں اور کس کے دروازے پر دستک دے۔

والسلام

محمد سلیمان بن محمد یوسف

مدیر مسئول

دو شخصیات

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: حسن وحسین (رضی اللہ عنہما) ہی تو میرے گلشن دنیا کے دو پھول ہیں۔"

(صحیح بخاری، کتاب فضائل صحابہ)

درسِ قرآن

از: مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ

صحابہ کرام کے فضائل ومناقب

۞... سورۃ الفتح ...۞... آیت نمبر ۲۹ ۞

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ ٱللَّهِ ۚ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ أَشِدَّآءُ عَلَى ٱلْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَىٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ ٱللَّهِ وَرِضْوَٰنًا ۖ سِيمَاهُمْ فِى وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ ٱلسُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِى ٱلتَّوْرَىٰةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِى ٱلْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْـَٔهُۥ فَـَٔازَرَهُۥ فَٱسْتَغْلَظَ فَٱسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِۦ يُعْجِبُ ٱلزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ ٱلْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًۢا○

ترجمہ: ’’محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں، آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب تو انہیں اس حال میں دیکھے گا کہ وہ کبھی رکوع میں ہیں، کبھی سجود میں ہیں، وہ اللہ کے فضل اور رضا مندی کو تلاش کرتے ہیں، ان کی شان یہ ہے کہ ان کے چہروں میں سجدوں کے نشان ہیں، ان کی یہ مثال توریت میں ہے، اور انجیل میں ان کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی ہو اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اسے قوی کیا پھر وہ کھیتی موٹی ہوگئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی جو کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی، تا کہ اللہ ان کے ذریعے کافروں کے دلوں کو جلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔‘‘

تفسیر:

حضرات صحابہ کرام (رض) کی فضیلت اور منقبت

اس سورت میں جگہ جگہ صحابہ کرام (رض) کی تعریف بیان فرمائی ہے پھر یہاں سورت کے ختم پر ان کی مزید توصیف وتعریف فرمائی ہے اولاً ارشاد فرمایا: کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے والے ہیں، اس مضمون کو سورۂ مائدہ میں ﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾

میں بھی بیان کیا ہے، اہل ایمان کی یہ شان ہے کہ کافروں کے مقابلہ میں سخت رہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر رحم کریں یہ صفت حضرات صحابہ کرام (رض) میں بہت زیادہ نمایاں تھی آج کل دیکھا جاتا ہے کہ مسلمان دشمنان اسلام کے آگے پیچھے جاتے ہیں اور ان سے ڈرتے ہیں ان سے نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ سختی کرتے ہیں ان پر رحم نہیں کرتے دنیاوی محبت نے اس پر آمادہ کر رکھا ہے۔ حضرات صحابہ کرام (رض) کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی:

﴿ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا ﴾

اے مخاطب تو ان کو اس حال میں دیکھے گا کہ کبھی رکوع کیے ہوئے کبھی سجدہ کیے ہوئے اس میں کثرت سے نماز پڑھنا اور نمازوں پر مداومت کرنا نوافل کا اہتمام کرنا راتوں کو نمازوں میں کھڑا ہونا سب داخل ہے۔ تیسری صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ﴾

(یہ حضرات اللہ کا فضل اور اس کی رضا مندی تلاش کرتے ہیں) جو اعمال اختیار کرتے ہیں ان کے ذریعہ کوئی دنیاوی مقصد سامنے نہیں ہے انکے اعمال اللہ کا فضل تلاش کرنے اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہیں۔ چوتھی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ﴾

اس کا مطلب بتاتے ہوئے صاحب معالم التنزیل نے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے جو ظاہر لفظوں سے سمجھ میں آرہا ہے کہ مٹی پر سجدہ کرنے کی وجہ سے ان کے ہاتھوں پر کچھ مٹی

لگ جاتی ہے اور بعض حضرات نے یہ نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن ان لوگوں کے چہرے روشن ہوں گے ان کے ذریعہ پہچانے جائیں گے کہ یہ لوگ نماز پڑھنے میں زیادہ مشغول رہتے تھے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اچھی عادت اور خصلت اور خشوع وتواضع مراد ہے جو لوگ کثرت سے نماز پڑھتے ہیں انہیں جو نماز کی برکات حاصل ہوتی ہیں ان میں سے ایک بہت بڑی صفت خوش خلقی اور تواضع بھی ہے ان چہروں سے ان کی یہ صفت واضح ہوجاتی ہے۔ پھر فرمایا:

﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِى التَّوْرٰىةِ ﴾

(ان کی مذکورہ صفت توریت میں بھی بیان کی گئی ہے) پھر انجیل میں جو ان کی صفت بیان کی گئی اس کو بیان فرمایا ارشاد ہے:

﴿ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ ﴾ (الیٰ اٰخرہ)

کہ انجیل میں ان لوگوں کی مثال یہ ہے کہ جیسے کسان نے نرم زمین میں بیج ڈالا اس زمین سے کھیتی کی سوئی نکلی یعنی ہلکا بہت پتلا تنا ظاہر ہوا، پھر یہ آگے بڑھا تو اس میں قوت آگئی پھر اور آگے بڑھا تو موٹا ہو گیا ان حالتوں سے گزر کر اب وہ ٹھیک طریقے سے اپنی پنڈلی پر اچھی طرح کھڑا ہو گیا اب یہ ہرا بھرا بھی ہے اندر سے نکل کر بڑھ بھی چکا ہے اور اس کا تنا اپنی جڑ پر کھڑا ہے کسان لوگ اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں اس مثال میں یہ بتا دیا کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ اولاً تھوڑے سے ہوں گے پھر بڑھتے رہیں گے اور کثیر ہوجائیں گے اور مجموعی حیثیت سے وہ ایک بڑی قوت بن جائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرات صحابہ کرام (رض) پہلے تھوڑے سے تھے پھر بڑھتے رہے بڑھتے بڑھتے ہزاروں ہوگئے زمانہ نبوت ہی میں ایک لاکھ سے زیادہ ان کی تعداد ہوگئی پھر انہوں نے دین اسلام کو خوب پھیلایا قیصر و کسریٰ ے تخت الٹ دیئے ان کے مقابلہ میں کوئی جماعت جم نہیں سکتی تھی:

﴿لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ﴾

یعنی اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو بڑھایا قوت وطاقت سے نوازا تا کہ ان کے ذریعہ کافروں کے دلوں کو جلا دے کافروں کو یہ گوارا نہیں تھا اور نہ اب گوارا ہے کہ اسلام اور مسلمان پھلیں پھولیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اسلام کو بھی بڑھا دیا اور مسلمانوں کو بھی قوت دے دی جیسا کہ سورۃ الصّف میں فرمایا:

﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ

الْكٰفِرُوْنَ۝۳۲ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ١ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴾

(یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو اللہ وہی ہے جس نے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے سب پر غالب فرمادے اگرچہ مشرکوں کو ناگوار ہو) یہ دوسری آیت۔۔۔ ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ ﴾ سورۂ توبہ اور سورۂ فتح میں بھی ہے جس کا ترجمہ گزر چکا ہے۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾

اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کی مغفرت ہوگی اور انہیں اجر عظیم دیا جائے گا) یہ بات بطور قاعدہ بیان فرمائی ہے لفظوں کا عموم حضرات صحابہ کو بھی شامل ہے اور ان کے بعد آنے والے اعمال صالحہ والے مومنین کو بھی۔ فائدہ: سورۃ الفتح میں حضرات صحابہ (رض) کی کئی جگہ تعریف فرمائی ہے اول فرمایا:

﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ﴾

پھر فرمایا:

﴿ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ يُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ١ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا۝۵﴾

پھر فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ﴾ پھر فرمایا ﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًاۙ۝۱۸﴾

پھر فرمایا:

﴿ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَ كَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَا ﴾ **پھر فرمایا** ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ١ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ (الآیۃ)

پھر فرمایا:

﴿ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ﴾

پھر فرمایا:

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾

اور سورۂ توبہ میں فرمایا:

﴿ وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ﴾

قرآن مجید کی ان تصریحات کو دیکھ لو اور روافض کی دشمنی کو دیکھ لو جو دو تین صحابہ کے علاوہ باقی سب کو کافر کہتے ہیں اس فرقہ کی بنیاد ہی بغض صحابہ (رض) پر ہے جو لوگ حضرات صحابہ کو کافر کہتے ہیں وہ قرآنی تصریحات کے منکر ہونے کی وجہ سے خود کافر ہیں قرآن کے جھٹلانے کی وجہ سے جب ان لوگوں پر کفر عائد ہو گیا تو کہنے لگے یہ قرآن ہی وہ نہیں ہے جو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہوا تھا وہ قرآن امام مہدی کے پاس ہے یہ کہنا خود کفر ہے اور قرآن نے بھی ان لوگوں کو کافر بتا دیا جن کے دل میں صحابہ کی طرف سے بغض ہوگا ﴿ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ﴾ کو بار بار پڑھ لیا جائے حضرت امام مالک (رح) کے سامنے کسی نے حضرات صحابہ کی شان میں کچھ کہہ دیا اس پر ارشاد فرمایا کہ جس کسی کے دل میں کسی بھی صحابہ کی طرف سے بغض ہوگا آیت کریمہ کا عموم اس کو شامل ہوگا یعنی وہ آیت کا مصداق ہوگا (یعنی اس پر کفر عائد ہوگا۔) (تفسیر قرطبی) بعض شیعوں نے نکتہ نکالا ہے کہ ہ ﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ کے ساتھ جو منھم کا اضافہ فرمایا ہے اس میں مِن تبعیضیہ ہے یہ ان لوگوں کی جہالت ہے حضرات صحابہ کے بغض میں یہ بات کہہ رہے ہیں اور مزید کفر کی چادر میں لپیٹ رہے ہیں سیاق کلام سے واضح ہو رہا ہے کہ من بیانیہ ہے۔ اگر بالفرض مِن تبعیضیہ ہو تو کیا آیات قرآنیہ سے دو تین صحابہ کا ایمان ثابت ہوتا ہے جن کے ایمان کے روافض قائل ہیں، اللہ تعالیٰ نے جو لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فرمایا ہے کیا اس سے ان چودہ پندرہ سو صحابہ کا ایمان اور وعدہ رضوان ثابت نہیں ہوتا جنہوں نے حدیبیہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہاتھ پر بیعت کی تھی جن میں حضرت ابوبکر (رض) اور عمر (رض) بھی تھے جن کے بغض میں شیعہ جل کر خاک ہوئے جا رہے ہیں سورۃ توبہ میں جو مہاجرین اور انصار اور ان کے متبعین (اہل السنۃ والجماعۃ) کی رضامندی کا اعلان فرمایا ہے اس میں تو کہیں بھی منھم نہیں ہے یاد رہے کہ حضرت

ابوبکر (رض) اور حضرت عمر (رض) بھی سابقین اولین میں سے تھے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور شیعہ اللہ تعالیٰ سے راضی نہیں جو حضرات انصار اور مہاجرین سے راضی ہے جو شخص قصداً قرآن کو جھٹلائے ایمان سے منہ موڑے اس سے کیا بات کی جاسکتی ہے شیعوں کا عقیدہ ہے حضرت ابوبکر (رض) اور حضرت عمر (رض) مومن نہیں تھے شیعوں کو خود اپنے ایمان کی فکر نہیں ہے کہ بغض صحابہ انہیں کچھ سوچنے نہیں دیتا عامۃ المسلمین سے ہمارا خطاب ہے ان آیات میں غور کریں تاکہ شیعوں کے کفر میں کوئی شخص شک نہ کرے۔ حضرت عبد اللہ بن مغفل (رض) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ (رض) کے بارے میں اللہ سے ڈرو (دو بار فرمایا) میرے بعد تم انہیں نشانہ نہیں بنالینا، سو جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا، اور جس نے انہیں اذیت دی اس مجھے اذیت دی، اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی، اور جس نے اللہ کو اذیت دی قریب ہے کہ وہ اسے پکڑ لے گا۔ (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ ٥٥٤) حضرت ابن عمر (رض) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہہ رہے ہیں تو کہہ دو کہ تم پر اللہ کی لعنت ہے تمہارے شر کی وجہ سے۔ (ایضاً) حضرت ابوسعید خدری (رض) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ کو برا نہ کہو کیونکہ (ان کا مرتبہ اتنا بڑا ہے کہ) تم میں سے کوئی شخص اگر احد (پہاڑ) کے برابر سونا خرچ کردے تو یہ (ثواب کے اعتبار سے) ان میں سے کسی کے ایک مد یا نصف مد کو بھی نہیں پہنچے گا۔ (کذا فی المشکوٰۃ ٥٥٣ عن البخاری ومسلم) اس زمانہ میں غلہ ناپنے کا ایک برتن ہوتا تھا اسے مد کہتے تھے (نئے اوزان سے ایک مد کا وزن سات سو گرام کے لگ بھگ بنتا ہے۔ ١٢) اللہ تعالیٰ شانہٗ، روافض کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

***

درسِ حدیث

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحبؒ

بیویوں میں برابری

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَنْ کَانَتْ لَهُ اِمْرَأَتَانِ یَمِیْلُ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یَجُرُّ أَحَدَ شِقَّیْهِ سَاقِطًا أَوْ مَائِلًا (ترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا جس کی دو بیویاں ہوں (اور) وہ ایک ہی کی طرف مائل رہے (اس کے ساتھ ترجیحی سلوک کرے جبکہ دوسری کو نظر انداز کئے رہے اور اس کے ساتھ کمتر سلوک کرے) تو وہ قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ وہ اپنے ایک گرے ہوئے یا جھکے ہوئے پہلو کو کھینچ رہا ہوگا۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَقْسِمُ بَیْنَ نِسَائِهِ فَیَعْدِلُ وَیَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ هٰذَا قِسْمِیْ فِیْمَا أَمْلِکُ فَلَا تَلُمْنِیْ فِیْمَا تَمْلِکُ وَلَا أَمْلِکُ (ترمذی و ابو داؤد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی بیویوں کے درمیان باری مقرر کی تھی اور (اس میں) برابری کرتے تھے اور فرماتے تھے اے اللہ جس چیز میں مجھے اختیار ہے (مثلاً رات گزارنے میں اور خرچہ وغیرہ دینے میں) اس میں تو یہ میری تقسیم ہے اور جس چیز میں آپ کو اختیار ہے مجھے نہیں (مثلاً کسی کے ساتھ قلبی تعلق اور محبت) تو اس میں آپ میرا مواخذہ نہ فرمائیے۔

سفر میں ساتھ لے جانے کے لئے بیویوں میں قرعہ کرنا مستحب ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا أَقْرَعَ بَیْنَ نِسَائِهِ فَأَیَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهُ (بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں رسول اللہ ﷺ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ نکالتے اور جس کے نام کا قرعہ نکلتا ان کو اپنے ساتھ لے جاتے۔

نئی بیوی کے پاس تین دن یا سات دن رہے تو اتنے ہی دن دوسروں کو بھی دے

عَنْ أَبِیْ بَکْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ حِیْنَ تَزَوَّجَ أُمَّ سَلَمَةَ وَ أَصْبَحَتْ عِنْدَہٗ قَالَ لَھَا لَیْسَ بِکِ عَلٰی أَھْلِکِ ھَوَانٌ إِنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ عِنْدَکِ وَ سَبَّعْتُ عِنْدَھُنَّ وَإِنْ شِئْتِ ثَلَّثْتُ عِنْدَکِ وَ دُرْتُ قَالَتْ ثَلِّثْ (مسلم)

ابوبکر بن عبدالرحمن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ نے ان سے فرمایا تم مجھ پر کم وقعت والی نہیں ہو (لیکن بیویوں میں برابری کرنے کی وجہ سے میں یہ کہتا ہوں) اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات راتیں گزاروں پھر دوسری ازواج کے پاس بھی سات سات راتیں گزاروں اور اگر تم چاہو تو تین راتیں تمہارے پاس گزاروں اور تین تین راتیں دوسری ازواج کے پاس گزاروں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے (یہ خیال کر کے کہ سات راتیں گزارنے کے بعد پھر دوبارہ باری زیادہ مدت کے بعد آئے گی) عرض کیا کہ آپ تین راتیں ہی گزار لیجئے۔

ایک بیوی کا اپنی باری دوسری بیوی کو ہبہ کرنا

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ سَوْدَةَ لَمَّا کَبِرَتْ قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَدْ جَعَلْتُ یَوْمِیْ مِنْکَ لِعَائِشَةَ فَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَقْسِمُ لِعَائِشَةَ یَوْمَیْنِ یَوْمَھَا وَیَوْمَ سَوْدَةَ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا جب عمر رسیدہ ہوگئیں تو انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ (اب میں آپ کے کام کی نہیں رہی لیکن میں یہ چاہتی ہوں کہ آخرت میں آپ کی بیوی رہوں اس لئے آپ مجھے اپنے نکاح میں رہنے دیجئے) آپ کی جو میرے ہاں باری ہے میں وہ (بخوشی) عائشہ کے نام کرتی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ (نے ان کی یہ بات قبول فرمائی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دو دن دینے لگے ایک ان کا اپنا دن اور ایک حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا دن۔

***

ہجری سال کا آغاز اور ماہ محرم کے مہینے کی وجہ تسمیہ

مولانا لئیق احمد
استاذ جامعہ دارالتقوی

ایک سال کی مدت کو مہینوں، ہفتوں اور دنوں میں تقسیم کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا اسے اردو بول چال میں"نظام الاوقات"اور عربی زبان میں تقویم کہتے ہیں اور انگریزی زبان میں اس کو کیلنڈر (لاطینی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں"حساب رکھنے والی کتاب") سنسکرت میں پترا اور ہندی میں اس کو جنتری بولا جاتا ہے۔اس تقویم (کیلنڈر) کے ذریعے سے دن اور رات دن اور وقت معلوم کرنے کا نام تاریخ ہے۔

تاریخی نظام کی ضرورت

ماضی کے واقعات کی یاد کو محفوظ رکھنے اور مستقبل میں معاملات، معاہدات اور مذہبی، سماجی، غمی، خوشی وغیرہ کی تقریبات کی تاریخیں متعین کرنے اور انجام دینے بلکہ بہت سے مذہبی احکامات پر عمل کرنے کے لیے انسانوں کو تاریخی نظام کی اشد ضرورت ہے کیونکہ اس کے بغیر مذہبی وسماجی کاموں کو انجام دینا صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے لہذا ضروری ہوا کہ ایک مستقل تاریخی نظام کا سلسلہ قائم ہو۔

تاریخی نظام (کیلنڈر) کی قسمیں

اسی ضرورت کے لیے دنیا میں کئی قسم کے تاریخی نظام چلتے ہیں جن کا دارومدار بنیادی طور پر تین چیزیں ہیں۔

1۔سورج (جس کو نظام شمسی کہتے ہیں)

2۔ چاند (جس کو نظام قمری کہتے ہیں)

3۔ ستارے (جس کو نظام نجومی کہتے ہیں)

اسلامی کیلنڈر کی بنیاد چونکہ چاند پر ہے اسی وجہ سے اس کو قمری سال بھی کہتے ہیں۔اور اس کی ابتداء محرم الحرام سے اور اختتام ذوالحجہ پر ہوتا ہے۔

سن ہجری کی ابتداء

تاریخ کے لیے ایک خاص سن مقرر کرنے کا رواج بہت پہلے سے چلا آرہا ہے۔دنیا کے ہر ملک اور ہر قوم میں کسی مشہور اور اہم واقعے سے سال کا شمار ہوتا ہے کہیں بادشاہوں کی تخت نشینی سے، کہیں کسی حادثے سے، کہیں کسی میلے ٹھیلے سے، کبھی یہ شمار ملکی فتوحات سے ہوتا ہے جیسے ہندوستان کے مختلف حصوں میں راجہ بکرماجیت کے جشن تخت نشینی سے بکرمی کا رواج ہے۔

غرض یہ کہ تاریخ کے لیے"سن" کا استعمال کوئی نئی چیز نہیں بلکہ اس کا رواج بہت قدیم ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر نبی کی امت میں اس کا مختلف طریقوں سے استعمال رہا۔ چنانچہ ابتداء دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام کے آسمان سے زمین پر اترنے کو بطور"سن"مقرر کیا گیا، پھر طوفان نوح کے واقعے کو بطور"سن"مقرر کیا گیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متبعین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے واقعے کو مقرر کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے پیروکاروں نے ان کے مصر میں وزیر بننے کے واقعے کو بطور"سن"مقرر کیا اور حضرت موسی علیہ السلام کے متبعین نے بنی اسرائیل کے فرعون سے خلاصی پانی کے زمانے کو بطور"سن" مقرر کیا اور حضرت عیسی علیہ السلام کی ولادت کے زمانے کو عیسائیوں نے"سن"کی حیثیت عطا کی۔

بہر حال مسلمانوں کی باقاعدہ تاریخ کا آغاز ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ہجرت سے قبل مسلمان سن نبوت یا حضور ﷺ کے حجۃ الوداع وغیرہ سے تاریخ کا حساب لگایا کرتے تھے۔باضابطہ کوئی سن مقرر نہ تھا۔اہل عرب ابتدا میں تعمیر کعبہ کو اور پھر مشہور واقعات وشخصیات کے اعتبار سے سن شمار کرتے تھے۔جیسے کعب بن لوی کی وفات (کعب بن لوی عرب کی مشہور شخصیت ہیں جو حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے پانچ سو برس پہلے گزرے ہیں جن کو اللہ تعالی نے زمانہ جاہلیت میں بھی بت پرستی سے محفوظ رکھا)

جنگ بسوس، جنگ داجس، جنگ غبراء، جنگ فجار وغیرہ مگر جب عرب ممالک کے علاوہ دیگر عجم ممالک

میں بھی اسلامی حکومت معرض وجود میں آئی تو انفرادی اور اجتماعی اور سرکاری سطح پر اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ باقاعدہ طور پر سن مقرر کیا جائے۔ چنانچہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام سے مشاورت فرمائی اور سن ہجری کا تقرر ہوا یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ کی طرف ہجرت کرنا اسلامی تقویم (اسلامی کیلنڈر) کی بنیاد بنا دیا گیا۔لیکن بعض روایات سے پتہ چلتا ہے مسلمانوں کے لیے ہجری کیلنڈر کی تقرری خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں ہوئی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرمانے کے وقت ہی تقرری جاری کر دی گئی تھی۔ البتہ سرکاری مراسلات میں تاریخ کا باضابطہ اندراج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لازمی قرار دیا گیا۔

اگر اس روایت کو لیا جائے تب تو اس کی سنت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔اور اگر پہلی روایت کو لیا جائے تو سن ہجری کی ابتدا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی تب بھی اس کے سنت ہونے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی بنیاد پر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خلفائے راشدین کے بارے میں فرمایا:

’’بلاشبہ جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا تو وہ بہت اختلافات دیکھے گا۔پس تم پر (ایسے وقت) میری اور میرے خلفائے راشدین جو کہ ہدایت یافتہ ہیں کی سنت لازم ہے۔ اس سنت کو تم مضبوطی سے پکڑے رکھنا اور اس کو اپنی ڈاڑھوں کے نیچے خوب دبا لینا اور تم (دین میں) نئی نئی باتوں کے (پیدا کرنے) سے بچنا کیونکہ (دین میں) جو بھی نئی چیز نکالی جائے بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔‘‘

باقی رہ گئی یہ بات کہ سن ہجری کو اسلامی کیلنڈر کے لیے کیوں مقرر کیا گیا؟ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا دن اور وفات کا دن، قرآن عظیم کا نزول، اسلام کا ظہور، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت، فتح مکہ کا واقعہ اور حجۃ الوداع یہ سب چیزیں بھی ”اسلامی کیلنڈر“ کے لیے بنیاد کی حیثیت بن سکتی ہیں۔

لیکن پھر بھی ”سن ہجرت“ کو بنیاد بنایا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے دن کو بنیاد بنانے میں عیسائیوں کے ساتھ مشابہت تھی اور وفات کے دن کو بنیاد بنانے میں اور اس طرح حجۃ الوداع کے واقعے کو معیار بنانے میں ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کا غم رہتا اور فتح مکہ کے واقعے میں اپنوں کی جدائی کا غم ہر وقت تازہ ہوتا رہتا۔ برخلاف ہجرت کے اندر ابتدا میں اگرچہ بہت سی تکالیف اور مشقتیں برداشت کرنی پڑی لیکن یہ سب تکالیف عارضی تھیں۔اس کیلئے جو نعمتیں حق تعالی کی طرف سے

ان حضرات کوعطا ہوئیں وہ لازوال تھیں ۔مثلاً

1۔ہجرت کی برکت سے مدینہ میں ایمان والوں کو ہر طرح کی عزت، غلبہ اور راحت وثروت عطا ہوئی

2۔ایمان والوں کو ایک مضبوط قلعہ اور مرکز حاصل ہوا۔

3۔مسلمانوں کو آزادی سے عبادت کرنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے جانے، مسلسل حاضری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے مستقل فیض یاب ہونے کے مواقع میسر آئے۔

4۔اسلامی طرز معاشرت کے خدوخال نمایاں ہوئے۔

5۔اسلام کے اقتصادی ومعاشی پروگراموں کے لیے عملی راہ ہموار ہوئی۔

6۔تعلیم وتعلم کے لیے سازگار ماحول میسر آیا۔

7۔ایک اسلامی ریاست وجود میں آئی جس کے نتیجہ میں اسلامی حدود اور اسلامی قوانین نافذ کرنے کا موقع فراہم ہوا۔

اسلامی مہینے

اسلامی کیلنڈر کی ابتداء" ماہ محرم الحرام" سے ہوئی ہے جبکہ اس کی انتہاء" ماہ ذوالحجہ" پر ہوتی ہے۔اسلامی کیلنڈر میں بھی 12 مہینے ہوتے ہیں بعض 29 کے اور بعض 30 کے" علامہ محمد مغربی نے لکھا ہے کہ قمری کیلنڈر میں چار مہینوں تک مسلسل 30 کا چاند ہوسکتا ہے مگر اس کے بعد نہیں اور 29 کا چاند بھی مسلسل چار ماہ تک ہو سکتا ہے"۔(تراشے از مفتی تقی عثمانی صاحب) اور چار ماہ" اشہر حرم" کے نام سے موسوم ہیں۔اگر چہ مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اس میں کچھ ردوبدل کر دیا تھا جیسے محرم کی جگہ صفر کو حرام کر دیا اور محرم کو حلال ۔۔۔۔۔قران پاک نے اس کو یوں بیان کیا۔

ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا........(سورۃ توبہ آیت 36)

ترجمہ:

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالی کے نزدیک مہینوں کی تعداد 12 مہینے ہے جو اللہ پاک کی کتاب (لوح محفوظ) کے مطابق اس دن سے نافذ چلی آتی ہے جس دن اللہ پاک نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ ان (12 مہینوں) میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں یہی دین (کا) سیدھا سادہ (تقاضا) ہے۔ (آسان ترجمہ از مفتی تقی عثمانی صاحب)

عرب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانہ سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ سال کے 12 مہینوں میں چار مہینے"اشہر حرم" خاص ادب و احترام کے مہینے سمجھے جاتے تھے یعنی (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب) ان چار مہینوں میں قتل وقتال اور جنگ وجدال سب حرام سمجھا جاتا تھا اور قتل وغارت کا بازار بالکل بند ہوجاتا تھا۔لوگ ان مہینوں میں امن وامان کے ساتھ سفر کرتے ،کوئی کسی سے تعارض نہ کرتا حتی کہ کوئی اپنے دشمن کو اور اپنے باپ کے قاتل کو بھی نہ چھیڑتا لیکن اس کے ساتھ ایک عجیب بدعت ایجاد کر رکھی تھی کہ جب کسی زورآور قبیلہ کو ماہ محرم میں کسی سے لڑنے کی ضرورت پیش آتی تو ایک سردار یہ اعلان کر دیتا کہ امسال ہم نے محرم کو اشہر حرم سے نکال کر اس کی جگہ سفر کو ماہ محترم قرار دے دیا ہے پھر اگلے سال یہ کہہ دیا کہ قدیم دستور کے مطابق محرم قابل احترام اور صفر حلال رہے گا (جنگ وجدال کے لیے) اسی طرح عرب بھی کبھی کبھار مہینوں کو آگے پیچھے کرلیا کرتے تھے جس وجہ سے اہل عرب سال بھر میں چار مہینوں کی گنتی تو پوری کر لیتے لیکن ان کی تعیین میں حسب خواہش ردوبدل کرتے رہتے تھے۔

(تفسیر معارف القرآن از حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ)

مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اس رسم کو ختم فرما دیا لہذا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ (اس وقت) زمانہ کی وہی رفتار ہے جس دن اللہ تعالی نے زمین وآسمان کو پیدا کیا تھا (یعنی اب اس کے دنوں اور مہینوں میں کمی وزیادتی اور ردوبدل نہیں ہے۔ جو جاہلیت کے زمانے میں مشرکین کیا کرتے تھے۔اب وہ ٹھیک ہو کر اسی طرز پر آگئی ہے جس پر ابتداء اور اصل میں تھی لہذا) ایک سال 12 مہینے کا ہوتا ہے ان میں چار مہینے حرمت وعزت والے ہیں جن میں تین مہینے مسلسل ہیں یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم الحرام اور ایک رجب کا مہینہ ہے جو کہ جمادی الاخری اور ماہ شعبان کے درمیان آتا ہے۔(تفسیر ابن کثیر)

اسلامی سال کے 12 مہینے بالترتیب اس طرح ہیں محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاولی، جمادی الاخری، رجب، شعبان، رمضان، شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ۔

***

قرآنی آیات اور موافقت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

انتخاب: محمد سلیمان بن محمد یوسف

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلام کے دوسرے خلیفہ تھے، آپ کا لقب فاروق اور کنیت ابوحفص تھی اور یہ دونوں نام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے عطا کردہ تھے، آپ اعلان نبوت کے چھٹے سال چالیس مرد اور گیارہ عورتوں کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے، آپ کے ایمان لانے کا واقعہ بہت مشہور ہے، آپ کے ایمان لانے سے مذہب اسلام کو بے پناہ تقویت ملی کہ مسلمان کھلم کھلا عبادت کرنے لگے اور آپ کو مراد رسول بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے ایمان لانے کی دعا فرمائی تھی، آپ کا شمار عشرہ مبشرہ میں بھی ہے، ایک رشتے سے آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خسر تھے کہ آپ کی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں تھیں اور ایک رشتے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے خسر تھے کہ حضرت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا آپ کی زوجیت میں تھیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بے شمار فضائل ہیں جنہیں اس مختصر مضمون میں بیان نہیں کیا جا سکتا، جن میں سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن پاک میں متعدد آیات طیبات ہیں جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی موافقت میں نازل ہوئیں یعنی بعض ایسے حادثات رونما ہوئے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان پر اپنی رائے کا اظہار فرمایا اور اللہ تبارک وتعالی نے آپ کی رائے کا پاس ولحاظ رکھا اور آپ رضی اللہ عنہ کی رائے کے عین موافق آیات کریمہ نازل ہوئیں۔

اس مختصر سے مضمون میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی موافقت میں نازل شدہ آیات کو بیان کر

کے آپ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرتا ہوں اور اس عمل کو اپنے لئے بخشش کا ذریعہ تصور کرتا ہوں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میرے رب نے تین باتوں میں میری موافقت فرمائی، میں عرض گزار ہوا! یا رسول اللہ ﷺ کاش! ہم مقام ابراہیم کو مصلی بنالیں تو حکم الٰہی ہوا اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالو۔

دوسرا پردے کی آیت۔ میں نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کاش! آپ ازواج مطہرات کو پردے کا حکم فرمائیں، کیونکہ ان سے نیک اور بد ہر قسم کے لوگ کلام کرتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالی نے پردے کی آیت نازل فرمادی اور حضور ﷺ کی ازواج مطہرات نے رشک کے باعث حضور پر دباؤ ڈالا تو میں نے ان سے کہا کہ اگر حضور آپ لوگوں کو طلاق دے دیں تو قریب ہے کہ ان کا رب انہیں ایسی بیویاں عطا کرے جو اسلام میں تم سے بہتر ہوں تو اس پر بھی آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اسی طریقے سے ایک دوسری حدیث میں ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا! میرے رب نے تین امور میں میری موافقت فرمائی، مقام ابراہیم میں، حجاب میں اور بدر کے قیدیوں میں۔

مذکورہ بالا حدیث میں تین آیات کا ذکر صرف شہرت کہ وجہ سے ورنہ محدثین عظام کے مطابق قرآن پاک میں ایسی آیات طیبات ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت میں نازل ہوئیں اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں بیس آیات کا ذکر فرمایا ہے۔(موافقات عمر ص 100۔)

چند آیات طیبات اور ان کے شان نزول مندرجہ ذیل ہیں۔

1 - حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ تین باتوں میں رب عزوجل کی طرف سے میری موافقت ہوئی (ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ) میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا:

لو اتخذنا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى يعني يارسول الله ﷺ!

اگر ہم مقام ابراہیم کو مصلی (یعنی نماز پڑھنے کی جگہ) بنائیں (تو کیسا رہے گا؟) تو اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے یہی آیت مبارکہ میری تائید میں نازل فرما کر مقام ابراہیم کو مصلی بنانے کا حکم ارشاد فرمادیا:

(وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِمَ مُصَلًّى - البقرة:135)۔

ترجمہ: اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ۔ (صحیح بخاری کتاب الصلوۃ ج 1 ص 158 حدیث:406) (تفسیر درمنثور)

2- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا:

إِنَّ نِسَاءَكَ يَدْخُلُ عَلَيْهِنَّ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ لَوْ آمَرْتَ أُمَّهَاتَ الْمُؤْمِنِينَ بِالْحِجَابِ۔

یعنی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے پاس نیک اور بد ہر قسم کے لوگ حاضر ہیں، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امہات المؤمنین کو حجاب میں رہنے کا حکم دیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت میں یہ آیت حجاب نازل ہوئی:

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ-ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ-وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (پ 22، الاحزاب:59)۔

ترجمہ: ''اے نبی! اپنی بیویوں اور صاحبزادیوں اور مسلمان عورتوں سے فرمادو کہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے منہ پر ڈالے رہیں اس سے نزدیک تر ہے کہ ان کی پہچان ہو تو ستائی نہ جائیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

3۔ جب جنگ بدر میں ستر کافر قید کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں لائے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب فرمایا۔ امیر المؤمنین خلیفہ رسول اللہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ آپ کی قوم و قبیلے کے لوگ ہیں میری رائے میں انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اس سے مسلمانوں کو قوت بھی پہنچے گی اور کیا بعید کہ اللہ تعالی اسی سبب سے انہیں دولت اسلام سے سرفراز فرمادے۔ جبکہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں نے آپ کی تکذیب کی، آپ کو مکہ مکرمہ میں نہ رہنے دیا کفر کے سردار اور سر پرست ہیں ان کی گردنیں اُڑائیں۔ اللہ تعالٰی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فدیہ سے غنی کیا ہے، علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو عقیل پر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو عباس رضی اللہ عنہ پر اور مجھے میرے رشتہ داروں پر مقرر کیجئے کہ

ان کی گردنیں ماردیں۔ بہرحال امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا اور فدیہ لینے کی رائے قرار پائی۔لیکن بعدازاں یہ آیت مبارکہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے کی موافقت میں نازل ہوگئی:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِؕ-تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَؕ-وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ-(پ10، الانفال:67)۔

ترجمہ: کسی نبی کے لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہائے تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔(صحیح مسلم کتاب الجهاد باب الامداد الخ،ص970 حدیث:90)

04-شراب کی حرمت سے متعلقہ تین آیات مبارکہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی موافقت میں نازل ہوئیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یوں دعا کی:

اللهم بين لنا في الخمر بيانا شافيا

یعنی یا اللہ عَزَّ وَجَلَّ! ہمارے لیے شراب کے بارے میں واضح حکم بیان فرما۔تو سورۂ بقرہ کی یہ آیت مبارکہ نازل ہوگئی:

(يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْر)(پ2، البقرة:219)

ترجمہ: تم سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں تم فرما دو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا اور انہیں یہ آیت مبارکہ سنائی گئی تو انہوں نے دوبارہ یہی دعا کی:

اللهم بين لنا في الخمر بيانا شافيا

یعنی یا اللہ عَزَّ وَجَلَّ! ہمارے لیے شراب کے بارے میں واضح حکم بیان فرما۔تو سورہ نساء کی یہ آیت مبارکہ نازل ہوگئی:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى۔(پ5 النساء:43)

ترجمہ:''اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ۔''

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا اور انہیں یہ آیت مبارکہ سنائی گئی تو انہوں نے دوبارہ یہی دعا کی:

اللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَنَا فِي الْخَمْرِ بَيَانًا شِفَاءً

یعنی یا اللہ عَزَّ وَجَلَّ! ہمارے لیے شراب کے بارے میں واضح حکم بیان فرما۔ تو سورہ مائدہ کی یہ آیت مبارکہ نازل ہوگئی:

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطٰنُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ۔ (پ7 المائدۃ 91)

ترجمہ: ''شیطان یہی چاہتا ہے کہ تم میں بیر اور دشمنی ڈلوا دے شراب اور جوئے میں اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکے تو کیا تم باز آنے والے ہو۔''

جب یہ تیسری آیت مبارکہ نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اطمینان کا اظہار فرمایا۔ (سنن ابو داؤد، کتاب الاشربہ، باب فی تحریم الخمر، ج3، ص484، حدیث: 3670)

جب منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عبد اللہ بن ابی نے جو مسلمان، صالح مخلص صحابی اور کثیر العبادت تھے یہ خواہش ظاہر کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے والد عبداللہ بن اُبی بن سلول کو کفن کے لئے اپنی قمیص مبارک عنایت فرمائیں اور نمازِ جنازہ بھی پڑھائیں۔ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں امور کے ارادے سے آگے بڑھے تو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں فوراً اٹھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالکل سامنے کھڑا ہو گیا اور دست بستہ عرض کی:

اعَلَى عَدُوِ اللّٰهِ ابْنِ أَبَى الْقَائِلِ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا كَذَا وَكَذَا

''یعنی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا آپ دشمن خدا عبداللہ بن اُبی کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں؟ جس نے فلاں فلاں دن ایسی ایسی گستاخیاں کی تھیں۔''

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس منافق کو اپنی قمیض بھی عطا فرمائی اور اس کے جنازے میں بھی شرکت فرمائی۔ بعد میں یہ آیت مبارکہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی موافقت میں نازل ہوگئی:

وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فٰسِقُونَ۔ (پ10 التوبۃ 84)

ترجمہ: اوران میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا بیشک وہ اللہ و رسول سے منکر ہوئے اور فسق ہی میں مرگئے۔(تفسیر خزائن العرفان،ص10،التوبہ:84،ص376)

ابتدائے اسلام میں رمضان المبارک کی راتوں میں اپنی زوجہ سے مباشرت کرنا جائز نہیں تھا لیکن امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ و دیگر چند صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے جماع کر لیا تو رمضان المبارک کی راتوں میں جماع کے جواز کی یہ آیت مبارکہ نازل ہوگئی:

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوهُنَّ)

-(پ6البقرۃ:187)-

ترجمہ: ''روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمہارے لئے حلال ہوا وہ تمہاری لباس ہیں اورتم ان کے لباس، اللہ نے جانا کہ تم اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے تھے تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی اور تمہیں معاف فرمایا تو اب ان سے صحبت کرو۔''

پانچ 5ہجری میں غزوہ بنی مصطلق سے واپسی کے وقت قافلہ مدینہ منورہ کے قریب ایک مقام پر ٹھہرا تو اُم المؤمنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا ضرورت کے لیے کسی گوشہ میں تشریف لے گئیں وہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کا ہار ٹوٹ گیا،تو آپ اس کی تلاش میں مصروف ہوگئیں اور قافلے والے آپ کو قافلے میں سمجھ کر روانہ ہو گئے۔ بعد ازاں آپ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے ساتھ آ گئیں تو قافلے میں موجود منافقین نے آپ رضی اللہ عنھا کی شان میں بدگوئی شروع کر دی اور اوہام فاسدہ (غلط وسوسے) پھیلانا شروع کر دیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے اس معاملے میں گفتگو فرمائی تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنھم ام المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا کی پاکدامنی کی گواہی دی۔ چنانچہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: مَنْ زَوَّجَكَهَا - یعنی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا کے ساتھ آپ کا نکاح کس نے فرمایا؟ فرمایا: اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے عرض کیا:

اَتَنْظُرُ أَنَّ رَبَّكَ دَلَّسَ عَلَيْكَ فِيهَا۔

''یعنی کیا آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ آپ کے رب عز وجل نے آپ کو عیب دار چیز عطا فرمائی ہے؟ ہرگز نہیں۔''

پھر آپ رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے۔

سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ۔

''یعنی الٰہی پاکی ہے تجھے یہ بڑا بہتان ہے۔''

تو آپ کی موافقت میں یہی الفاظ رب عَزَّ وَجَلَّ نے نازل فرمادیے:

وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ هٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ

.(18النور:16)۔

ترجمہ:''اور کیوں نہ ہوا جب تم نے سنا تھا کہا ہوتا کہ ہمیں نہیں پہنچتا کہ ایسی بات کہیں الٰہی پاکی ہے تجھے یہ بڑا بہتان ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب منافقین کے استغفار کی کثرت کی تو امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زبان پر یہ کلمات آئے:

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ اسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُم

یعنی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کا ان منافقین کے لیے استغفار فرمانا یا نہ فرمانا دونوں برابر ہیں، تو اللہ عَزَّ وجل نے ان ہی الفاظ میں آپ رضی اللہ عنہ کی موافقت میں یہ آیت کریمہ نازل فرمادی:

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ اسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ (پ28المنافقون6)۔

ترجمہ:''ان پر ایک سا ہے تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو۔''

(الصواعق المحرقہ، ص100،)(تاریخ الخلفاء، 97)

نہایت ہی اختصار سے کام لیتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت میں نازل شدہ چند آیات طیبات کو آپ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ابھی اس کے علاوہ بھی بے شمار آیات کریمہ ہیں جو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی موافقت میں نازل ہوئیں، بلا شبہ یہ آیات طیبات جہاں ایک طرف حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی قدر و منزلت کی جانب مشیر ہیں تو وہیں روافض کی جانب سے آپ پر کیے گئے اعتراضات اور ان کے بے بنیاد الزامات کا دندان شکن جواب بھی ہیں۔

***

نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب

حضرت مولانا اجمل خان صاحب رحمہ اللہ

قرآن مجید میں حضرت موسی علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے مبارک سفر کے تذکرے میں ایک قصہ ایک بستی کے یتیموں کی دیوار کے متعلق بھی ہے، جس کو درست کرنے کی وجہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسی علیہ السلام کو یہ بیان کی کہ وکان ابوھما صالحا کہ ان کے ماں باپ نیک تھے اور اس دیوار کے نیچے خزانہ تھا، اگر دیوار درست نہ کی جاتی تو وہ بستی کے ان لوگوں کے ہاتھ لگ جاتا جو مہمان نوازی کے نام سے بھی نابلد اور آداب سے ناآشنا تھے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اپنی مختصر مگر جامع تفسیر عثمانی میں نقل فرماتے ہیں کہ یہ ساتویں پشت تھی، جن کے آباء واجداد کی نیکی کی وجہ سے اللہ تعالی نے خزانے کی حفاظت اور ان تک پہنچانے کے لیے حضرت خضر علیہ السلام کے ذریعہ انتظام کروایا، حضرت موسی علیہ السلام کے ذریعے واقع کی حقیقت کو لسان خضر سے واضح کیا اور پھر اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن مجید نازل کر کے اس کی تفصیل کو بیان فرمایا، تاکہ محبوب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب اُمت جان سکے کہ نیک اعمال اور اپنی زندگی کی کتنی برکات ہوتی ہیں اور اس کے کتنے ثمرات ہوتے ہیں کہ نسل در نسل بھی ان کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

اس واقعہ سے جہاں بہت سے اسرار وحِکم سمجھ میں آتے ہیں، جن کو مفسرین نے تفصیل کے ساتھ تفاسیر میں نقل کیا ہے، وہیں ایک ایمان افروز نکتہ بھی ایمان والوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے کہ اگر بنی اسرائیل

کے اولیاء کی اولاد کو اُن کے نیک اعمال کی وجہ سے اتنا شرف حاصل ہوسکتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے ذریعے تکوینی طور پر خزانے کی حفاظت کا کام لیا جائے تو امام الانبیاء، خاتم النبیین والمعصومین حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو سب کے سردار ہیں، وجہ تخلیق کائنات ہیں، جن کا دامن اتنا پاک ہے کہ اگر نچوڑا جائے تو فرشتے وضو کریں، ان کی اولاد جو اُن کی لاڈلی بیٹی سیدۃ النساء اہل الجنۃ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے چلی، اُن کا کیا مقام ہوگا ؟!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں، سب سے چھوٹی مگر مرتبے میں اولاد میں سب سے بڑی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تھیں، ابن عبدالبرؒ کے مطابق آپ رضی اللہ عنہا بعثت کے پہلے سال پیدا ہوئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کا نام فاطمہ رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نانیوں اور دادیوں میں فاطمہ نام کی کثرت پائی جاتی ہے، اسی نسبت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باقی رکھا، فاطمہ کا لفظ "فطم" سے ہے، جس کا معنی ہے قطع کرنا، چھڑانا یعنی وہ دنیا سے الگ کر دی گئی تھیں، ان کی تخلیق آخرت کے لیے ہوئی آپ کے دو لقب تھے: بتول اور زہراء بتول کا معنی جو اللہ تعالی کی عبادت کے لیے یکسو ہو جائے اور زہراء کا معنی وہ جن کا ظاہر و باطن مجلیٰ و مصفیٰ ہو۔ (سیرت المصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت وتربیت نے آپ کو کمالات کی انتہا پر پہنچا دیا، آپ اخلاق و عادات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل شبیہ تھیں، آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح ساڑھے پندرہ سال کی عمر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ معجم طبرانی میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: " مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کردوں۔" زرقانیؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں۔ وہ زرہ جو بدر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملی تھی، مہر قرار پائی، عقد نکاح کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ زرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دی کہ بیچ کر لاؤ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ 480 درا ہم میں خریدی اور پھر قیمت دے کر زرہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہدیہ کر دی اور بدلے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے گھرانے کی دعائیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دامن میں سمیٹ لی۔

نکاح کے موقع پر خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم اور دیگر کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے تھوڑے عرصے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرہ مبارک کے قریب ہی ایک مکان حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے رہنے کے لیے ہدیہ کر دیا اور اس کے بدلے

جنت میں مکان خرید لیا۔ اللہ تعالی نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا و حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تین لڑکے حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ، حضرت محسن رضی اللہ عنہ اور دو لڑکیاں حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا عطا فرمائے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ شعبان المعظم 4ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش مبارکہ سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچی ام الفضل رضی اللہ عنہا زوجہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک سے گوشت کا ایک ٹکڑا جدا ہو کر اُن کی جھولی میں گرا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا غم نہ کریں، خواب مبارک ہے، عنقریب میری بیٹی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے ہاں بیٹے کی پیدائش ہوگی، جس کی پرورش آپ کے ذمہ ہوگی، چنانچہ اس خواب کے کچھ عرصہ بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور یوں جنت کے شہزادوں حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی خوبصورت جوڑی مکمل ہوگئی، خبر ملتے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور برکت کے لیے اپنی زبان مبارک نومولود کے منہ میں ڈالی، دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی۔

یہ خوش قسمت شہزادہ جس کے وجود میں سب سے پہلے مبارک لعاب پہنچی اور کانوں میں اعلیٰ وارفع آواز گونجی، اس کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسین رضی اللہ عنہ رکھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے نام کی مانند حسین وجمیل، شکل وصورت میں کائنات کے سب سے خوبصورت انسان محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ کی آنکھ کا تارہ تھے۔ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے متعلق زبان نبوت سے کیا خوبصورت الفاظ ادا ہوئے: الٰہ العالمین! جس طرح میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں، تو بھی ان سے محبت رکھ، اور جو ان دونوں کو محبوب رکھے، تو بھی اسے محبوب بنا۔" (جامع الترمذی)

اللہ تعالی کی محبت حاصل کرنے کا ایک آسان نسخہ ان شہزادوں سے قلبی محبت بھی ہے، کیونکہ یہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقبول دعا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ان شہزادوں سے بے حد محبت تھی، ایک بار حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے رونے کی آواز سن کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: کیا تو نہیں جانتی اس کے رونے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے؟ ایک دفعہ تو اس محبت کی حد ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حسین مجھ سے ہے، میں حسین سے ہوں (رضی اللہ عنہ)۔ اسی طرح ایک جگہ ارشاد ہے: "حسن، حسین" تو جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں (رضی اللہ عنہما)۔ کبھی ان کی الفت میں ممبر سے اتر آئے، کبھی سجدے طویل ہو

گئے، کیونکہ پشت پر جنت کے نوجوانوں کے سردار سوار ہیں، کبھی ارکانِ نماز یوں ادا کیے جا رہے ہیں کہ شہزادہ رسول وجود اطہر کے ساتھ چمٹے ہیں۔کبھی ان بچوں کے ساتھ دوڑ رہے ہیں، اور کبھی کندھوں پر سواری کرائی جارہی ہے۔ دیکھنے والوں نے کہا: سواری کتنی اعلیٰ ہے؟ تو فوراً زبانِ نبوت سے نکلا: سوار بھی تو کتنا اعلیٰ ہے۔

ایک روز نبی کریم ﷺ نے اُنہیں کئی لڑکوں کو کشتی میں پچھاڑتے دیکھا، تو فرمایا: ''یہ شجاع ابن شجاع ہے۔'' اپنے والد سے قرآن پاک پڑھتے ہوئے آیات جہاد پر جنگ کے طریقے اور گر پوچھتے، اور صرف زبانی نہیں، عملی تربیت کی درخواست کرتے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں مشقیں کراتے، حتی کہ اس فن میں کامل ہو گئے اور آگے جا کر نواسۂ رسول نے بہت سی جنگوں اور میدانِ کربلا میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی خاندان نبوت کے ان شہزادوں پر جان چھڑکتے اور ان کا پورا خیال رکھتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اپنے اقرباء سے صلہ رحمی کی نسبت مجھے یہ بات کہیں زیادہ عزیز ہے کہ میں آپ ﷺ کے اقرباء سے صلہ رحمی کروں۔" (صحیح البخاری)

حضرت ابوبکر صدیق ہی کے دور میں حیرہ علاقہ فتح ہوا تو ایک بہت خوبصورت اور قیمتی چادر مال غنیمت میں آئی، آپ نے وہ چادر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دی کہ شہزادے کے ساتھ اچھی لگتی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بدری اصحاب کے برابر دونوں بھائیوں کے وظائف مقرر کیے، دین نے جس چیز سے نہیں روکا اور اجازت دی، خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہ نے اس مقدس گھرانے کے ایک ایک فرد بالخصوص ان شہزادوں کے ساتھ محبت ومودت، جود وسخاوت میں انتہا کر دی اور جس سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا تو پھر اس مقدس گھرانے کے تقدس کو دھبہ لگنا بھی گوارا نہ کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یمن سے کپڑے آئے کوئی حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے ناپ کے مطابق پورا نہیں آیا، آپ غمگین ہو گئے اور فوراً ناپ یمن بھجوا کر جوڑے تیار کروائے، اور جب انہوں نے پہنے تو فرمایا: "شکر ہے اس اللہ کا جس نے میرا دل ٹھنڈا کیا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک روز خطبہ دے رہے تھے تو حدیث پڑھ کر آپ نے دونوں صاحبزادوں کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:" جو شخص رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھتا ہے، اس کا فرض ہے کہ وہ ان سے بھی محبت رکھے اور ان کے درجات پہچانے۔"(سیرۃ الخلفاء)

الغرض ہمیشہ سب کے منظور نظر رہے اور اپنے اختیارات کو استعمال کرتے رہے۔ ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کسی امیر سلطنت کی طرف سے بھیجا جانے والا سامان مدینے کے پاس سے گزرا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے دس اونٹوں سے سامان اُتروا کر پاس رکھ لیا اور پیغام بھجوایا کہ اپنا حق وصول کر لیا، البتہ کچھ باقی ہے۔ مال کے حاصل کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ جمع کرتے تھے، بلکہ مدینے کے سب سے زیادہ سخی کا پوچھا جاتا تو لوگ آپ کا ہی نام لیتے، اللہ کی راہ میں اتنا خرچ کرتے کہ اکثر مقروض ہو جاتے۔ عبادت گزار اتنے کہ بعض اوقات سینکڑوں نوافل ادا کرتے، یہ اس اذان محمدی کا اثر تھا جو پیدائش کے وقت آپ کے کانوں میں دی گئی۔ تلاوت قرآن مجید کا یہ حال تھا کہ چلتے پھرتے زبان پر تلاوت جاری رہتی، یہ لسان نبوت چوسنے کی برکت تھی، اسی وجہ سے خوش الحان تھے۔ جو آپ کی تلاوت سنتا تو پھر هل من مزيد کی تمنا کرتا، عاشقانہ عبادتِ حج کا یہ عالم کہ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تک پیدل چل کے پینتیس حج کیے۔ سخاوت کا یہ حال تھا کہ اپنے تو اپنے دروازے سے دشمن بھی خالی نہیں گئے، قرض لے لیا، پر کسی سائل کو مایوس نہ کیا۔ نماز سے اتنی محبت کہ اللہ کے دین کی سربلندی کی خاطر نکلے اور اسی راستے میں میدان کربلا میں، محرم 61ھ کو 58 برس کی عمر میں شہید کر دیئے گئے۔

ہمارا ایک المیہ ہے کہ ہم صرف دس محرم الحرام کو ہی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہیں، جبکہ چاہیے تو یہ کہ محراب و منبر ہو یا صحافت کی دنیا، تسلسل کے ساتھ ان مقدس ہستیوں کا ذکر خیر ہونا چاہیے۔ شہادت کے ساتھ آپ کی روشن زندگی کے مثالی کارناموں کو بھی قوی حوالہ جات کے ساتھ بیان کیا ہے، تاکہ امت مسلمہ اپنے بڑوں کی زندگی سے بخوبی آگاہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جن کی وجہ سے ہم تک دین پہنچا۔ بہترین جزا سے نوازے اور کل ہمارا حشر ان کے قدموں میں فرمائے، آمین

❊❊❊

معروف حدیث قدسی

’’ایک تیری چاہت ہے اور ایک میری چاہت ہے‘‘
کا تحقیقی جائزہ

مولانا جواد الٰہی صاحب
شعبہ تخصص فی علوم الحدیث النبوی
جامعہ دار التقوی، چوبرجی، لاہور

کچھ عرصہ پہلے راقم الحروف کے پاس معروف حدیث قدسی:

»(اے میرے بندے) ایک تیری چاہت ہے اور ایک میری چاہت ہے، اگر تو میری چاہت پر اپنی چاہت کو قربان کردے تو میں تیری چاہت میں تیری کفایت کروں گا اور ہوگا وہی جو میں چاہوں گا۔ اور اگر تو میری چاہت پر اپنی چاہت کو قربان نہ کرے تو میں تجھ کو تیری چاہت میں تھکا دونگا اور ہوگا وہی جو میں چاہوں گا«۔ کے متعلق سوال آیا تھا کہ اس کا حکم بیان کردیں، اسے حدیث کہہ کر بیان کرنا چاہیے یا نہیں؟ اس وقت اس حدیث قدسی سے متعلق ایک دو تحریریں شائع ہو چکی تھیں لیکن راقم کو اس کا علم نہ تھا۔ اس لئے حدیث قدسی پر کام شروع کردیا، کچھ عرصہ کام چلتا رہا اور پھر گونا گوں تعلیمی مصروفیات کی وجہ سے یہ کام تعطل کا شکار ہوگیا۔ سائل نے جب دوبارہ یاددہانی کروائی ایک اور انتہائی قریبی دوست نے جب اس پر اصرار کیا کہا تو سابقہ منقطع سلسلہ دوبارہ شروع ہوگیا۔ اس مرتبہ بتوفیقِ الٰہی مذکورہ حدیث قدسی سے متعلق اپنا موقف بمع دلائل وشواہد تحریر کردیا۔

دورانِ تحقیق حدیث قدسی سے متعلق مختلف تحقیقات کا بھی علم ہوا لیکن چونکہ ان میں بعض امور راقم کے

لئے قابل اطمینان نہ تھے اس لئے یہ داعیہ پیدا ہوا کہ اپنا موقف بمع دلائل وشواہد پیش کر دیا جائے تا کہ اگر اس میں کچھ سقم ہے یا کوئی امر قابل اصلاح ہے تو راہنمائی مل جائے ( )۔اس تحقیق وموقف پر راقم کو اطمینان حاصل ہے اور دلائل سے اسے مبرہن ومزین کر دیا گیا ہے تاہم پھر بھی اگر قاری کسی قابل اعتراض امر پر مطلع ہو تو راقم کو ضرور اطلاع دے بندہ ممنون ومشکور ہوگا۔

□ اس مضمون میں مندرجہ ذیل امور زیرِ بحث لائے گئے ہیں :

(۱)روایت کا ماخذ(۲)سند کے راویوں پر کلام(۳)روایت کا حکم مختصرا(۴)مختلف کتابوں میں حدیثِ قدسی بیان کرنے کا طرز(۵)روایت کے حدیثِ قدسی ہونے کا ثبوت(۶)حدیثِ قدسی اور ضعفِ روایت (۷)حدیثِ قدسی ۔۔۔مرفوع حکمی(۸)مرفوع حکمی کی شرائط(۹)امام حسن بصریؒ اور اسرائیلی روایات(۱۰)مرفوع حکمی اور اسرائیلی روایات میں فرق(۱۱)مراسیل امام حسن بصریؒ (۱۲)اسرائیلیات اور حدیث قدسی(۱۳)پوری بحث کا خلاصہ۔

اور یہ مضمون چونکہ قسط وار شائع کیا جا رہا ہے اس لئے پہلی قسط میں مذکورہ امور میں سے ابتدائی چھ امور ذکر کئے جا رہے ہیں جبکہ آئندہ ماہ باقی امور دوسری قسط کی زینت ہوں گے ویسے عموما تحقیقی مضامین میں انقطاع معانی کی رسائی میں مخل سمجھا جاتا ہے تاہم محترم قارئین سے گذارش ہے کہ یہ طرز عذر ومصلحت کی بنا پر اپنایا گیا اسلئے اس پہلو کو درگذر فرمائیں۔

روایت کا ماخذ

مذکورہ حدیث ہمیں اہل سنت کے مصادرِ کتب احادیث میں سے صرف"نوادر الاصول" میں ملی ہے ۔"نوادر الاصول" حکیم ترمذیؒ (متوفی 255ھ) کی کتاب ہے۔حکیم ترمذی نے اسے نوارد الاصول" (512/1)میں امام حسن بصریؒ کے واسطہ سے نقل کیا ہے۔نواردالاصول کی روایت اور سند یہ ہے۔

نواردالاصول(512/1)میں ہے:

«حدثنا عمر بن أبي عمر، قال: حدثنا عبد الوهاب بن نافع، عن مبارك بن فضالة، عن الحسن، قال: قال الله -تبارك وتعالى-: يا داود! تريد وأريد، ويكون ما أريد، فإن أردت ما أريد، كفيتك ما تريد، ويكون ما أريد، وإن أردت غير ما أريد، غيبتك فيما تريد، ويكون ما أريد»

سند کے راویوں پر کلام

اس روایت میں چار راوی ہیں۔ان میں حضرت حسن بصریؒ کا شمار تو ثقہ تابعین میں ہوتا ہے ان کے علاوہ دیگر راویوں کے حالات مندرجہ ذیل ہیں :

(۱) مبارک بن فضالہ البصر ی

یہ راوی » مبارک بن فضالۃ ابوفضالہ بن ابی امیہ البصر ی « ہیں۔حسن بصریؒ کے شاگرد تھے اور تیرہ برس ان کی صحبت میں رہے۔حافظ ابن حجرؒ نے انہیں » صدوق « کہا ہے اور انہیں » مدلس « بھی قرار دیتے ہیں۔چنانچہ التقریب (2/157) میں ہے:

« مبارك بن فضالة بفتح الفاء وتخفيف المعجمة أبو فضالة البصري صدوق يدلس ويسوي من السادسة مات سنة ست وستين على الصحيح خت د ت ق »

اور علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (5/281) میں انہیں » حسن الحدیث « کہا ہے۔ان پر جرح محض یہ ہے کہ ان کا حافظہ کمزور تھا، اس لئے غلطی کر جاتے تھے اور تدلیس کرتے تھے ( ) لیکن امام احمد بن حنبلؒ نے جو ان کے بارے میں فیصلہ فرمایا ہے وہی درست معلوم ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں :

«ما رواه عن الحسن يحتج به»

نیز اس پر مستزاد یہ ہے کہ یہ صحیح بخاری، سنن ترمذی، سنن ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ کے راوی ہیں لہذا یہ ثقہ راوی ہیں۔

(۲) عبدالوہاب بن نافع العامری المطوعی

عبدالوہاب بن نافع ضعیف راوی ہیں ۔ان کے بارے میں امام عقیلیؒ فرماتے ہیں:

«منكر الحديث لا يقيمه»

امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں:

«واه جدا»

اور "الکشف الحثیث" (1/177) میں ہے:

« عبد الوهاب بن نافع العامري المطوعي عن مالك وَهَّاهُ الدارقطني وغيره (قال فيه انه واه) قال الذهبي: ألصق بمالك عن نافع عن بن عمر رضي الله عنهما مرفوعا: » لا تكرهوا مرضاكم على الطعام فإن الله تعالى مطعمهم « انتهى فهذا وضع سندا وقد تقدم أنه وضع ولكنه أخف من وضع المتن »

(۳) عمر بن ابی عمر العبدی البلخی

» عمر بن ابی عمر « نام کے کتب اسماء رجال میں کئی راوی معروف ہیں البتہ یہاں » عمر بن ابی عمر العبدی البلخی « مراد ہیں جو کہ حکیم ترمذیؒ کے اساتذہ میں سے تھے۔ یہ بھی ضعیف راوی ہیں اور ان کا تذکرہ خطیب بغدادیؒ نے کتاب » المتفق والمفترق « (2/111) میں کیا ہے فرماتے ہیں :

« عمر بن ابي عمر العبدي البلخي حدث عن عبدالله بن ابي امية الفزاري و عبد الملك بن مسلمة المصري روي عنه ابراهيم بن علي و محمد بن علي الترمذيان »

حافظ ابن حجرؒ نے انہیں فتح الباری (6/354) میں »(ضعیف) کہا ہے اور لسان المیزان (2/75) میں فرماتے ہیں :

« اخرج الحكيم الترمذي عن عمر بن ابي عمر عن ابراهيم بن عبدالحميد العجلي عن صالح بن حبان عن ابن بريدة عن ابيه رفعه الارواح في خمسة الانس و الجن و الملائكة و الشياطين و الروح و سائر الخلق لهم انفاس و ليست لهم ارواح قال الجوزقاني هذا منكر و عمر و ابراهيم مجهولان قلت عمر معروف لكنه ضعيف۔ »

روایت کا حکم

» نوادر الاصول « کی مذکورہ روایت میں چونکہ » عبدالوہاب بن نافع « ضعیف راوی ہیں اور حکیم ترمذیؒ کے استاذ » عمر بن ابی عمر بلخی « بھی ضعیف ہیں اس لئے یہ روایت سند کے اعتبار سے » ضعیف « ہے جبکہ بعض حضرات اسے » عبدالوہاب بن نافع « پر شدید جرح کی وجہ » ضعیف جدا « کہتے ہیں۔

- اس کے ضعف کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اکثر علماء اور محدثین نے اس کے ضعف کی طرف

اشارہ کرتے ہوئے اسے » رُوِیَ « یا » جَاءَ « جیسے صیغہ التمریض سے بیان کیا ہے۔ضعیف حدیث بیان کرنے کا ادب بھی یہی ہے کہ اسے صیغہ تمریض سے بیان کیا جائے۔ چنانچہ امام نوویؒ ”التقریب“ (ص61) میں فرماتے ہیں :

« واذا اردت رواية الضعيف بلا اسناد فلا تقل : قال رسول الله كذا و مااشبهه من صيغ الجزم بل قل : رُوِيَ كذا أو بلغنا كذا أو ورد أو جاء أو نقل و ما اشبهه و كذا ماتشك في صحته. »

یہی وجہ ہے کہ مختلف کتابوں میں مذکورہ حدیث قدسی کو صیغہ تمریض کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

□ الغرض مذکورہ حدیث قدسی سند کے اعتبار سے » ضعیف « ہے اور ضعیف روایت کو صیغہ تمریض کے ساتھ بیان کرنا چاہیے اس لئے اس حدیث قدسی کو بھی یوں ہی بیان کیا جائے البتہ اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ اسے ضعف کی صراحت کے بغیر بیان کردیں کیونکہ ہرضعیف حدیث کو بیان کرتے ہوئے ضعف کی صراحت ضروری نہیں ہوتی چنانچہ مقدمہ ابن الصلاح (ص19) میں ہے:

«يجوز عند أهل الحديث وغيرهم رواية الأحاديث الضعيفة والتساهل في أسانيدها من غير بيان ضعفها »

مختلف کتابوں میں ”حدیث قدسی“ کو بیان کرنے کا طرز

بعض محدثین اور ائمہ مفسرین، اہل تصوف نے مذکورہ حدیث قدسی کو اپنی کتابوں کی زینت بنایا ہے اور بعض نے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے صیغہ تمریض کے ساتھ نقل کیا ہے جبکہ بعض نے اسے بغیر صیغہ تمریض کے بھی بیان کیا ہے ان میں ملا علی القاریؒ ، امام زبیدیؒ ،ابن عطیہ اندلسیؒ اور اسماعیل حقیؒ وغیرہ شامل ہیں۔

□ چنانچہ محدثین میں سے ملّاعلی القاری اسے مرقاۃ المفاتیح (4/566) میں ایک جگہ یوں بیان کرتے ہیں:

« وفي بعض الكتب : عبدي تريد وأريد ولا يكون إلا ما أريد، فإن رضيت بما أريد كفيتك فيما تريد، وإن لم ترض بما أريد أتعبتك فيما تريد، ثم لا يكون إلا ما أريد »

جبکہ دوسرے مقام (130/4) پر اسے "حدیث قدسی" کہہ کر ذکر کرتے ہیں:

« روي في الحديث القدسي: (يريد وأريد، ولا يكون إلا ما أريد)، وقيل لأبي يزيد: ما تريد؟ قال: أريد أن لا أريد »

نیز ملّا علی القاریؒ نے اس روایت کو جمع الوسائل شرح الشمائل (39/1) میں بھی نقل کیا ہے فرماتے ہیں:

« نعم من قال: أريد وصاله ويريد هجري فأترك ما أريد لما يريد. مستحسن جدّا للحديث القدسيّ: تريد وأريد ولا يكون إلّا ما أريد »

□ ائمہ مفسرین میں سے ابن عطیہ اندلسی (متوفی 546ھ) نے » المحرر الوجیز فی تفسیر العزیز « (340/4) میں اسے یوں نقل کیا ہے:

« روي أنه نزل قوله تعالى: لِمَنْ شاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ فقال أبو جهل: هذا أمر قد وكل إلينا، فإن شئنا استقمنا وإن شئنا لم نستقم، فنزلت وَما تَشاؤُنَ إِلَّا أَنْ يَشاءَ اللَّهُ يقول الله تعالى: يا ابن آدم: تريد وأريد فتتعب فيما تريد ولا يكون إلا ما أريد. »

اسماعیل حقیؒ کی تفسیر روح البیان میں اسے مختلف مقامات پر مختلف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ مثلا » یا ابن آدم «، » عبدی «، » یا داؤد « اس طرح »

"جاء في بعض الآثار «يا پهر» روي ان في بعض الكتب الالهية"

کے الفاظ کے ساتھ منقول ہے اور ایک جگہ (457/7) اسے "في الحديث القدسي" کہہ کر بھی بیان کیا گیا ہے۔

□ اہل تصوف میں سے اسے امام ابو طالب مکیؒ (متوفی 386ھ) نے قوت القلوب (16/2) میں نقل کیا ہے۔ انہی سے امام غزالیؒ نے اسے احیاء العلوم (346/2) میں درج کیا ہے اور امام زبیدیؒ اتحاف السادۃ (653/9) میں فرماتے ہیں:

« (يروي) في بعض الأخبار (ان الله تعالى أوحى الى داؤد عليه السلام يا داؤد تريد و اريد و انما يكون ما أريد) نقله صاحب القوت »

اس کے علاوہ یہ روایت حاشیۃ الصاوی علی الجامع الصغیر لاحمد بن محمد (1241ھ)(1/25)، ایقاظ الہمم شرح متن الحکم للصوفی احمد بن محمد ابن عجیبۃ الفاسی (1266ھ)(1/39)اور کتاب الانصاف، للقاضی محمد بن طیب الباقلانی (متوفی 1403ھ)(1/63) میں بھی موجود ہے۔

نوٹ: ائمہ محدثین اور مفسرین کے طرزِ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے ضعیف روایت کو بیان کرنے کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے مذکورہ روایت کو صیغہ تمریض کے ساتھ اور صیغہ تمریض کے بغیر دونوں طرح نقل کیا ہے۔

روایت کے حدیث قدسی ہونے کا ثبوت

بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ اس روایت کو » حدیث قدسی « کہنا درست نہیں اور یہ حضرات اس کی بنیادی وجہ یہ ذکر کرتے ہیں کہ:

» مذکورہ فقرہ رسول اللہ ﷺ سے نقل نہیں کیا گیا ہے، بلکہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے منقول ہے؛ اس لیے اس فقرہ کو حدیثِ قدسی نہیں مانا جا سکتا«۔()

لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اولا: تو ہم یہ بات دلائل وشواہد سے نقل کریں گے کہ مذکورہ روایت حکما مرفوع ہے اور حکما مرفوع روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب منسوب کی جاسکتی ہے لہذا صراحتاً مرفوع نہ ہونے کی بنا پر اسے احادیث قدسیہ سے خارج کرنا درست نہیں۔

ثانیا: یہ کہ ملّا علی القاریؒ نے مذکورہ روایت کو مرقاۃ المفاتیح (4/130) اور جمع الوسائل (1/39) میں صراحتا حدیث قدسی سے تعبیر کیا ہے۔جمع الوسائل میں ہے:

« نعم من قال:أريد وصاله ويريد هجري فأترك ما أريد لما يريد.
مستحسن جدّا للحديث القدسيّ: تريد وأريد ولا يكون إلّا ما أريد«۔»

مرقاۃ المفاتیح (4/130) میں ہے:

« روي في الحديث القدسي: (يريد وأريد، ولا يكون إلا ما أريد)، وقيل لأبي يزيد: ما تريد؟ قال: أريد أن لا أريد»

نیز جس روایت میں » أوحی اللہ « یا اس جیسے الفاظ ہوں انہیں احادیث قدسیہ میں سے مرفوع حکمی تصریحی شمار کیا جاتا ہے اور چونکہ ہمارے زیرِ بحث روایت کو بھی بعض مقامات پر » أوحی اللہ الی داؤد « کہہ

کر بیان کیا گیا ہے اس لئے یہ بھی مرفوع حکمی تصریحی ہے چنانچہ شیخ عوامہ مدظلہ العالی اپنی کتاب من صحاح الاحادیث القدسیہ (ص10) میں فرماتے ہیں :

«أما إذا ورد: أوحى الله إلي أو إلى إبراهيم أو إلى موسى: افعل، كذا ونحوه فهو قدسي»

حدیثِ قدسی اور ضعفِ روایت

بعض حضرات نے مذکورہ روایت کے حدیث قدسی نہ ہونے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ:

یہ روایت چونکہ ضعیف ہے یا بے اصل و بے سند ہے اس لئے اسے حدیث قدسی نہ کہا جائے۔

حالانکہ کسی روایت کا صحیح یا ضعیف ہونا اس روایت کے حدیث قدسی ہونے کے مانع نہیں ہوتا کیونکہ صحت اور ضعف کا تعلق سند کے ساتھ ہے اور کسی حدیث کے قدسی ہونے یا نہ ہونے کا مدار متن پر ہوتا ہے نہ کہ متن پر یعنی یہ متن کا وظیفہ ہے۔

□ بہت سی ایسی احادیث قدسیہ موجود ہیں جنہیں محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن محدثین کے ضعیف کہنے سے یہ احادیث، حدیث قدسی ہونے سے خارج نہیں ہوتیں۔ چنانچہ محمد محمود بزونی المدنی الحنفیؒ (متوفی ۱۲۰۰ھ) کی کتاب »الاتحافات السني ''في الاحاديث القدسي'' میں احادیث قدسیہ کی تعداد آٹھ سو تریسٹھ (۸۶۳) ہے اور اس میں صحیح اور ضعیف دونوں قسم کی روایات موجود ہیں اور شیخ محمد مدنی حنفیؒ نے اس پر تنبیہ بھی فرمائی ہے۔

اس طرح کتاب »الاتحافات السني بالاحاديث القدسي « للمناوی میں احادیث قدسیہ کی کل تعداد دوسو بہتر (۲۷۲) ہے اور ان میں معتبر کے علاوہ بعض غیر معتبر روایات بھی موجود ہیں لیکن اس کے باوجود امام عبدالروف مناویؒ نے انہیں احادیث قدسیہ میں شمار کیا ہے۔اور »التیسیر بشرح الجامع الصغیر« میں امام عبدالرؤف مناویؒ نے ایک ضعیف روایت کو حدیث قدسی کہا ہے اور پھر فرماتے ہیں ابن الجوزیؒ نے اسے موضوع کہا ہے اور حافظ ابن حجرؒ اسے ضعیف قرار دیتے ہیں چنانچہ منقول ہے :

« فَإِن الله تَعَالَى يَقُول) فِي الحَدِيث الْقُدسِي (رَحْمَتي فِي ذَوي الرَّحْمَة من عبَادي) أَي أسكنت الْمَزِيد مِنْهَا فيهم (وَلَا تَطْلُبُوا الْحَوَائِج عِنْد القاسية قُلُوبهم) أَي الغليظة أفئدتهم (فَلَا تُرْزَقُوا وَلَا تنجعوا فَإِن الله تَعَالَى يَقُول إِن

سخطي)........عَن أبي سعيد) الْخُدْرِيّ وهو ضَعِيف كَمَا بَينه ابْن حجر لَا مَوْضُوع خلافًا لِابْنِ الْجَوْزِيّ»۔

نوٹ :

پھر ذخیرہ کتبِ احادیث میں صحیح احادیث قدسیہ کی تعداد آٹے میں نمک کی مانند ہے ان کی تعیین و تحدید میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔الفتح المبین بشرح الاربعین (ص 432) میں امام ابن حجر ہیتمیؒ (متوفی ۹۷۴ھ) فرماتے ہیں :

«وهو ما ورد من الأحاديث الإلهية و تسمى القدسية و هي أكثر من مئة و قد جمعها بعضهم في جزء كبير»

علّامہ علی بن بلبان (متوفی ۶۸۴ھ) نے »المقاصد السنیة فی الأحادیث الالهیة « میں سو(۱۰۰) احادیث قدسیہ کو جمع کیا ہے اورمحی الدین ابن العربی (۶۳۸ھ) کی کتاب »مشکاة الأنوار فیما روی عن اللہ سبحانہ من الاخبار« میں ایک سوایک (۱۰۱) احادیث قدسیہ ہیں۔اس طرح شیخ عوامہ مدظلہ العالی نے بھی »من صحاح الأحادیث القدسیة « میں سو(۱۰۰) احادیث قدسیہ درج کی ہیں۔جبکہ ڈاکٹر محمود طحان صاحب کے مطابق صحیح احادیث قدسیہ کی تعداد دوسو (۲۰۰) ہے() اور »الصحیح المسند من الاحادیث القدسیة « لمصطفی بن العدوی میں ایک سو پچاسی (۱۸۵) احادیث قدسیہ موجود ہیں۔

اور اگر اس کے مقابلہ میں صحیح کے علاوہ دیگر جملہ احادیث قدسیہ کی بات کریں تو ان کی تعداد بہت زیادہ ہے چنانچہ عبد السلام علوش کی کتاب »الجامع فی الأ حادیث القدسي « میں سات سو بہتر (۷۷۲) احادیث مذکور ہے اور شیخ محمد مدنی کی کتاب »الاتحافات السنیة فی الأحادیث القدسیة « میں یہ تعداد آٹھ سو تریسٹھ (۸۶۳) ہے جبکہ عصام الدین الصبابطی نے تین جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم تالیف »جامع الأ حادیث القدسي « میں کل گیارہ سو پچاس (۱۱۵۰) احادیث قدسیہ جمع کی ہیں۔

اس فرق سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ احادیث قدسیہ صحیح اور ضعیف دونوں ہوسکتی ہیں لہذا ملا علی القاریؒ کا مذکورہ روایت کو احادیث قدسیہ میں شمار کرنا درست ہے۔

***

گلدستہ ارشادات ومکتوبات حضرت جی

مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ

جمع وترتیب: حافظ فہد اعوان

الحمدللہ جامعہ دارالتقوی کی طرف سے کچھ عرصہ پہلے دعوت وتبلیغ کی مبارک محنت کے مقاصد، اصول وآداب اور صحیح نہج کو سمجھنے کیلئے بانی تبلیغ حضرت مولانا الیاس صاحب رح کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ارشادات وملفوظات کا ایک حسین گلدستہ شائع کیا گیا تھا جس میں تبلیغی چھ نمبر کی ترتیب پر بانی دعوت وتبلیغ کے ارشادات کو جمع کیا گیا ہے۔ یہ مجموعہ ایمانیات، عبادات، معاشرت اور اخلاق کی تعلیمات کا ایسا جامع نمونہ ہے جو ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے مسلمان کیلئے مشعل راہ ہے۔ اسی افادیت کے پیش نظر اس کتاب کو قسط وار ماہنامہ دارالتقوی میں شائع کیا جا رہا ہے۔ امید ہے قارئین کیلئے یہ بے حد مفید ہوگا۔

مولانا عبدالمالک جامعی

حضرت مولانا عبدالمالک جامعی اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ جب میں ابتدا میں دعوت وتبلیغ کی محنت سے جڑا تو مولانا الیاس صاحبؒ بہت اکرام فرماتے تھے اور جمعرات میں جب جانا ہوتا تو کارگزاری سنتے اور بہت حوصلہ افزائی فرماتے، ایک دن اسی طرح کارگزاری سناتے ہوئے اخیر میں یہ کہہ بیٹھا کہ” حضرت! اب تو بہت امیدیں ہیں”۔ میرے کہنے پر غصہ میں پہلو بدلا، چہرہ سرخ اور فرمایا:

مولانا! مخلوق کے اس ڈھیر پر بھروسہ؟ مولانا! مخلوق کے اس ڈھیر پر بھروسہ؟ بھروسہ کی ذات صرف ایک ہے اور اُس کا نام ہے اللہ”۔ (مولانا الیاسؒ صاحب اور ان کی تبلیغی تحریک: ص26)

دوسرا واقعہ بھی عجیب ایمان افروز ہے، مولانا عبد الما لک صاحب کو پاؤں میں کچھ تکلیف تھی، جوتا پہن کر چلنا مشکل تھا۔ نظام الدین حاضری کئی دن تک نہ ہوسکی، زخم اچھا ہونے کے بعد تشریف آوری ہوئی تو حضرت نے حیرت اور تاسف سے فرمایا:

اتنے دنوں کہاں غائب تھے؟

عرض کیا: پاؤں میں تکلیف تھی۔

فرمایا:" تانگے میں آجاتے۔!!"

عرض کیا: تانگہ نہیں مل سکا

فرمایا:"آہستہ آہستہ پیدل چلے آتے۔!!"

عرض کیا: جوتا زخم پر لگتا تھا۔

فرمایا:"جوتا اتار کر پھینک دیتے (ہاتھ میں لے لیتے)۔"

پھر فرمایا:"مولانا! جہاں مشکل پیش آئے جان لو کہ کامیابی کی کنجی وہاں ہی دفن ہے۔"

(مولانا الیاس صاحبؒ اور ان کی تبلیغی تحریک، ص:32)

***

فضائل حسنین کریمین رضوان اللہ علیہم اجمعین

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے اور فرمایا: میرے بیٹے کہاں ہیں؟ میں نے عرض کیا: علی رضی اللہ عنہ ان کو ساتھ لے گئے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی تلاش میں متوجہ ہوئے تو انہیں پانی پینے کی جگہ پر کھیلتے ہوئے پایا اور ان کے سامنے کچھ کھجوریں بچی ہوئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے علی! خیال رکھنا، میرے بیٹوں کو گرمی شروع ہونے سے پہلے واپس لے آنا۔

صحابہ رضی اللہ عنہ کی محنت اور مجاہدے

بیان: حضرت مولانا محمد ابراہیم دیولا صاحب

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيات أعمالنا، من يهده الله فلا مضلله و من يضلله فلا هادي له، و نشهد أن لا إله إلا الله و حده لا شريك له و نشهد و ان محمدا عبده و رسوله و بارك و سلما تسليماً كثيراً كثيراً، أما بعد!

قسط اول

میرے بزرگو اور پیارے بھائیو!

ہمارا بیٹھنا عبادت ہے... سننا عبادت ہے...... گرمی برداشت کرنا عبادت ہے۔ سردی برداشت کرنا عبادت ہے ..... جیسے رمضان کے روزے سردی کے گرمی کے سب عبادت ہیں، کیونکہ وہ دین کی وجہ سے برداشت کر رہے ہیں، یہ بڑی بات ہے کہ اللہ کے حکموں کے لئے اللہ کے دین کے لئے تکلیف برداشت کی جاوے نقصان برداشت کیا جاوے، جو تکلیف ..... جو نقصان دین کی وجہ سے برداشت کیا جاتا ہے وہ اللہ کے یہاں نقصان نہیں مانا جاتا، بلکہ وہ قربانی مانی جاتی ہے، ہر تکلیف چاہے اللہ کے راستے میں کانٹا بھی لگے یہ کانٹا بھی نیکی کے لکھنے کا ذریعہ اور گناہ کے مٹنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

اس محنت کی مثال بارش کے پانی کی ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو علم و ہدایت دے کر اللہ نے مجھے بھیجا ہے وہ ایسا ہے جیسے آسمان سے برسنے والا پانی ہوتا ہے، آسمان سے برسنے والا پانی سراسر رحمت اور سب کے لئے رحمت ہوتا ہے ....

اپنوں کے لئے پرایوں کے لئے...جانوروں کے لئے.زمین سے اگنے والی چیزوں کے لئے سب کے لئے رحمت ہے، حدیث پاک میں ہے:

مَثَلُ مَا بَعَثَنِي الله به مِنَ العِلمِ وَالهُدَى كَمَثَلِ الغَيثِ الكثير [صحيح البخاري/باب فضل من علم وعلم، حديث نمبر:79]

تو دین کی محنت بارش کی طرح رحمت ہے، ماحول میں اس سے رحمتیں برستی ہیں، بھائی چارے پیدا ہوتے ہیں، اور دین صحیح معنوں میں آتا ہے تو ہمارا رہن سہن صحیح ہو جاتا ہے، بھائی چارہ قائم ہو جاتا ہے دشمنیاں ختم ناراضگی ختم۔ ایک دوسرے پر احسان اور ایثار کرنے والے، مدد کرنے والے ایک دوسرے کا بھلا چاہنے والے پیدا ہو جاتے ہیں، جیسے مدینے کے انصار آپس میں بہت لڑتے تھے، بڑی خونریز جنگیں ہوتی تھیں، اور برسوں سے چلتی تھیں، لیکن انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے مقدس ہاتھوں سے دین قبول کیا اور بیعت کر کے قول وقرار کرلیا تو اس دن سے ہی ان کا جذبہ یہ بن جاتا تھا کہ صرف آپکا کام کرنا ہے، اللہ نے انکے حالات بدل دیئے، انکی دشمنیاں ختم ہوگئیں، محبت اور بھائی چارہ ہوگیا، انکی تنگیاں ختم ہوگئیں، برکتیں ہوگئیں۔ بارش کے پانی کی طرح سے، اگر بارش کا پانی رک جاوے تو خیر ہے ہی نہیں، اور اگر بارش برس جاوے تو خیر ہی خیر ہے۔

زندگی سے خواہشوں کو ختم کریں:

اسلئے محنت سے حق تعالیٰ دنیا کے حالات بنانے والے ہیں، بدلنے والے ہیں، یہ پکی بات ہے، اس محنت کو اپنی زندگیوں کا جز بنائیں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جو زندگی اللہ تعالیٰ نے دی ہے وہ ذمہ داری کی زندگی ہے خواہشوں کی زندگی نہیں ہے، مسئلہ یہ بنتا ہے کہ زندگی خواہشوں پر چلی گئی، اس لئے اب ذمہ داری کی فکر نہیں ہے، ذمہ داری پوری نہیں ہو رہی ہے، جب ذمہ داری پوری نہیں ہوتی تو مدد بھی نہیں ہوتی، حق تعالیٰ کا یہ نظام ہے، کہ جو جتنی ذمہ داری پوری کریگا اتنی وہ اللہ کی مدد پائے گا، حضور ﷺ فرماتے تھے:

المعونة على قدر المؤونة [شعب الإيمان/فضل في ذكر ماء في الأوجاع .حديث نمبر:9954]

اللہ کی مدد اتنی ہوگی جتنی ذمہ داری پوری کی جائے گی، اسلئے یہ کام تو ذمہ داریوں کا ہے، اپنے آپ پر بوجھ لیکر کے برداشت کر کے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنا، ایک ذمہ داری اپنے کو دیندار بنانے کی ہوتی ہے،

کہ ہر آدمی اپنے کو دیندار بناوے، جس طرح اپنے آپ کو تندرست رکھتا ہے۔خوشحال رکھتا ہے کھانا پینا ہے، ایسے ہی ایک ذمہ داری یہ ہے کہ ہر آدمی اپنے آپ کو دیندار بناوے، اور وہ دین کے کاموں کو سیکھے، دین کے کاموں کو کرے......فرائض کو ادا کرے..واجبات کو ادا کرے...حلال کو حرام کو دیکھے! حقوق کو دیکھے! دوسروں کے اور اللہ کے کیا حقوق ہیں؟ یہ ہر آدمی پر ضروری ہے، جیسے کھانا پینا کپڑا پہننا ضروری اس سے زیادہ ضروری یہ ذمہ داری پوری کرنا ہے۔

اپنے دین کی حفاظت:

اسلئے کہ ہر آدمی سے اسکی قبر میں اسکے دین کو پوچھا جائیگا، چاہے وہ مؤمن ہو یا مؤمن نہ ہو، کہ وما دينك ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو دفن کر کے فارغ ہوتے تھے، تو لوگوں سے فرماتے تھے، کہ اپنے بھائی کے لئے دعا مانگو:

استغفروا لاخيكم واسالوا له التثبيت فإنه الآن يسال [سنن أبی داؤود / باب الاستغفار عند القبر: حدیث نمبر:3223]

اس سے ابھی سوال شروع ہو جائیگا پوچھ تاچھ شروع ہو جائیگی، ابھی اسکے واسطے دعا کرو، اور خود بھی دعا مانگتے تھے، تو ہر آدمی سے اسکی قبر میں اسکا دین پوچھا جائیگا، اسی لئے اپنا دین بنا کر لے جانا، دین بنانے کے لئے اور دین قائم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہم کو پیدا کیا ہے، یہ ہمارا اصلی کام ہے۔ جب یہ اصلی کام ہوگا تو باقی کاموں میں رحمتیں اور برکتیں آئیں گی، اسلئے ایک ذمہ داری یہ ہے کہ اپنی ذات اپنے آپکو دیندار بنانا، اللہ نے فرمایا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُم ناراً [التحریم:6]

''اے ایمان والوں اپنے آپکو دیندار بناؤ! اپنے گھر والوں کو دیندار بناؤ! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ اپنے گھر والوں کو دوزخ سے بچاؤ! دوزخ دیکھی نہیں ہے دوزخ کہاں ہے تو پھر کیسے بچائیں گے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے، کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو دین سکھاؤ!!! اپنے آپکو پابند کرو! اپنے اھل وعیال کو دین کا پابند کرو، تا کہ وہ بھی دیندار بنیں، اگر اپنے آپ کو دیندار نہیں بنایا..تو انسان اپنی دنیا برباد کرے گا، کس فضولیات میں برباد کریگا؟ اپنی خواہشوں میں برباد کرے گا۔

اہل وعیال آخرت میں پکڑ کا سبب ہیں:

اور اسکی وجہ سے اسکے اھل وعیال ایسے ہی ہو جائیں گے، وہ بھی اسکی کمائی ہوئی دنیا کو کھا پی لیں گے، اور اسکے واسطے کچھ نہیں بچے گا، علماء نے لکھا ہے کہ العِیال سوس العمل کہ آدمی کے اھل وعیال اناج کا کیڑا ہیں، گیہوں میں چاول میں کیڑے پڑ جاتے ہیں، تو وہ کھانے کے کام کے بھی نہیں رہتے اور اگنے کے کام کے بھی نہیں رہتے ایسے آدمی نے اپنی دنیا کمائی اپنی دنیا بنائی اور دین نہ اپنا بنایا نہ اپنے اھل وعیال کا بنایا تو وہ کھا پی لیں گے، اسکے لئے کچھ نہیں، آدمی کے اھل وعیال اسکا مال کھا پی کر فارغ ہو جائیں اور حق بھی ادا نہیں کرینگے، کیونکہ انہیں دین نہیں سکھایا.. دین سکھایا ہوتو تب حق ادا کریں، حضور ﷺ نے نیک اولاد کی نشانی بتائی کہ "ولد صالح یدعو لہ نیک بیٹا وہ ہے جو اپنے ماں باپ کے مرنے کے بعد دعا مانگے، دعا مانگنا اسکے لئے نیکی کی علامت ہے، اسکے پاس دین ہے تو وہ اپنے ماں باپ کے لئے دعا مانگے گا، کیونکہ زندگی میں اسکو سکھایا تھا، وہ خود بھی دین پر رہا ماحول بھی گھروں کا دیندار رہا۔ تو وہ ماں باپ کا حق ادا کرینگے۔

دین کی محنت سے اندر ایمانی طاقت پیدا ہوتی ہے:

تو ذمہ داری ہے کہ اپنے آپکو دیندار بنانا ہے، یہ محنت اس لئے ہے کہ اپنے اندر دین پر قائم رہنے کی طاقت پیدا ہو جاوے، اسلئے یہ محنت زیادہ بھاری لگتی ہے۔ علاج کی طرح جیسے علاج بھاری لگتا ہے۔ لیکن علاج اگر پورا کرلے تو تندرست ہو جاتا ہے، پھر وہ اپنے سب کام کریگا کیونکہ تندرستی ہوگئی، حالت ٹھیک ہو گئی، وہ جماعت میں نکلا اندر سے طاقت پیدا ہوگئی، اس محنت سے اندر سے طاقت پیدا ہوتی ہے، اگر محنت پوری نہیں ہوئی، تو اسکو حکم بھاری لگتے ہیں..... وہ جان چھڑاتا ہے، اور چھوڑ دیتا ہے، اور اگر محنت پر آجاوے تو گزری ہوئی زندگی کا بھی حساب سامنے آتا ہے، کہ میں نے تو کچھ کیا ہی نہیں! ایک آدمی ساؤتھ انڈیا سے آیا تھا، پتہ نہیں کتنا وقت جماعت میں لگایا اور گھر جانے کے بعد اٹھارہ برس کی زکوۃ ادا کی، اس نے کہا میں نے ایک سال کی بھی زکوۃ نہیں دی ہے، اور اسے پتہ نہیں تھا کہ اسکا کیا حق ہے؟ لیکن جب محنت ہوئی تو پانی پڑا، انکے لئے یہ محنت پانی ہے تو دلوں پر پانی پڑا، توبہ کا جذبہ پیدا ہوا، تو یاد کرتا ہے۔ میں نے یہ بگاڑا، میرے اندر یہ بگاڑ ہے..... مجھے یہ سب ٹھیک کرنا ہے، وہ اللہ کے راستہ میں پھرے باتیں سنیں،

صدقات کے فضائل سنے، مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب پڑھی اور سنی کہ مال کی زکوۃ کہاں لگانا ؟ اور کہاں نہیں لگانا ؟ اور مال لگاؤ گے تو کیا برکت ہوگی ؟ اور نہیں لگاؤ گے تو کیا نحوست ہوگی ؟ تو جو ایک سال کی زکوۃ نہیں دیتا تھا، وہ اٹھارہ سال کی کیوں دے گا ؟ ایک سال کی بھی زکوۃ دینے کی طاقت نہیں تھی ! اتنی غفلت تھی ! اتنی جہالت تھی ! فضائل سنیں اور حساب نکالا کہ اتنے سال سے مالدار ہوں ، کیونکہ زکوۃ بھول جانے سے معاف نہیں ہوگی ۔

حقوق معاف نہیں ہوتے :

ہم لوگ امریکہ سفر میں تھے،تو یونیورسٹی میں عرب کے تین ہزار لڑکے تھے، جو تعلیم لیتے تھے، ہم نے ان میں کام کیا، وہ یہاں آئے تو وہ یہ پوچھنے لگے کہ ہم یونیورسٹیوں میں پڑھتے تھے، اور روزہ تو رکھتے ہی نہیں تھے،تو کیا حکم ہے؟ رمضان کے روزے اپنے وقت پر رکھنا فرض ہے، اور نہیں رکھے ہیں تو قضاء کرنا بھی فرض ہے،تو انھوں نے کہا کہ ہم قضاء کریں گے، وہ جب آئے تھے تو ایسے ہی گرمی کا زمانہ تھا، میں نے کہا ہمارے ملک میں تو بہت گرمی ہوتی ہے، اور تم جماعتوں میں پھرو گے، اور روزے رکھو گے تو یہ بہت مشکل ہو جائے گا۔ اس لئے تم کو قضاء تو کرلی ہے تو وہ روزہ رکھنے کے لئے تیار ہوگئے ، اس محنت کا بڑا اثر ہے، یہ محنت اس لئے نہ کرنا کہ چلہ پورا کرنا ہے چار مہینے پورے کرنا ہے!!! اس محنت سے حقوق ادا کرنے کی طاقت پیدا ہوگی ، کہ دوسروں کے مجھ پر کیا حقوق ہیں؟ اللہ کے مجھ پر کیا حقوق ہیں؟ کیونکہ حقوق معاف نہیں ہوتے ، وہ دینے ہی پڑیں گے ... جب تک حق والا معاف نہ کرے ہم ایک ملک میں گئے تھے،تو دیکھا کہ یہاں شوری کی جماعت کے ایک ساتھی بہت ہی مالدار تھے، ہم لوگ مہمان تھے وہ میزبان تھے، ہمارا وہ اکرام کرتے تھے، کسی حادثہ میں وہ قتل ہوگئے ، نیویارک میں اب انکا خاندان بچا ہے،تو وہ خاندان بھی کبھی ہم جاتے ہیں تو اکرام کرتا ہے! میرے ایک دوست مفتی صاحب تھے، وہ یہاں آتے جاتے تھے، میں نے ان سے کہا کہ مفتی صاحب یہ ان مرحوم کا خاندان تو بہت ہی مالدار ہے، اور اب اسکا تو انتقال ہوگیا ،تو کیا ان وارثوں نے ان کا مال تقسیم کیا؟ اور وارثوں کو مال مل گیا؟ تو لوگوں کو لینا دینا صحیح ہے؟ نہیں تو جو مال آرہا ہے سب کا اس میں سے مال دینا کہاں صحیح ہے؟ تم انکو سمجھاؤ کہ حق داروں کا حق دے دو! کیونکہ یہ واجب ہے۔ انہوں نے جا کر بات کی تو وہ تیار ہوگئے۔ اسی کام میں لگے ہوئے تھے، انکو بتانے کی ضرورت تھی کہ کوئی رہبری کرے، انھوں نے اپنی ساری جائداد کو شریعت کے مطابق تقسیم کرلیا۔

حقوق کی ادائیگی کی فکر:

یہی اس کام کا اثر ہے، کہ لوگ دوسروں کے حقوق ادا کرنے لگیں گے، اور جب تک حقوق ادا نہیں کریں گے، تو چھٹکارا نہیں پائیں گے ایمان کی محنت سے ایمان تیار ہوتا ہے، تو حقوق کی ادائیگی کی فکر ہوتی ہے۔ حلال حرام کی فکر پیدا ہوتی ہے اور یہی اصلی دین ہے، اور اسی دین کو لیکر دنیا میں پھرنا ہے۔ تا کہ ایک ایک مسلمان کے اندر یہ بات پیدا ہو جاوے کہ یہاں مجھ پر ذمہ داری ہے، اپنے آپکو دین دار بنانا...اور اپنے ماحول کو دیندار بنانا اور عالم میں دین پھیلے اسکی فکر کرنا تا کہ ہر ایک آدمی اپنے بارے میں فکر کرے کہ مجھ پر اللہ کا کیا حق ہے، اور اللہ کے بندوں پر کیا حق ہے؟ اور میری آخرت کیسے بنے؟ اس سے احسان زندہ ہوتا ہے، انصاف زندہ ہوتا ہے، بچوں میں اور اولاد میں دین داری آتی ہے، وہ حق ادا کرنے والے بنتے ہیں، خدمت کرنے والے بنتے ہیں، دین کے تمام کاموں کو پانی ملتا ہے، یہ تروتازہ ہوتے ہیں۔

کام کو سمجھ کر کریں:

اسلئے اس محنت کو خوب سمجھ سمجھ کر کرو، جیسے دنیا کے کاموں کو ہم خوب سمجھ سمجھ کر کرتے ہیں، اسکے بارے میں سوچتے ہیں، ایسے ہی اس کام کو جو سمجھ کر کریگا وہ تو چلتا رہے گا، اور خدانخواستہ بے سوچے سمجھے اگر کر لیا تو بے سوچے چھوڑ بھی دیگا، چھوٹے بچے کی طرح چھوٹا بچہ کوئی چیز کہیں لے کر گیا وہیں چھوڑ کر آ گیا چھوٹا بچہ بغیر سمجھے چابی اٹھا کر لے گیا تھا اور بغیر سمجھے کہیں چابی چھوڑ کر چلا بھی آیا، وہ جانتا نہیں کہ چابی کی کتنی ضرورت پڑے گی! ایسے ہی بغیر سمجھے اگر اس کام میں چلے تو لوگ چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں، اسلئے ہم انکو یہ دعوت دیتے ہیں، کہ اس کام کو سمجھنے کی کوشش کریں! تقویٰ، اور اللہ کا خوف پیدا کرنے والا یہ عمل ہے، آدمی کو پابند کرنے والا عمل ہے۔ حق ادا کرانے والا عمل ہے۔ اسکی زندگی پاک ہو جاتی ہے، حیات طیبہ ملتی ہے، اللہ کا وعدہ جو ایمان اخلاص اور اعمال کے ساتھ ہے، وہ پورا ہوگا۔ اللہ انھیں جینے کے لئے پاک زندگی دیں گے، ولنحيينه حياة طيبة کہ ہم انھیں جینے کے لئے پاک زندگیاں دیں گے، تو دلوں میں چین آپس میں محبتیں اخلاق، صحت، دعا کی قبولیت کے اسباب، برکتیں۔ یہ سب پاک زندگی کے آثار اور نشان ہیں۔

(جاری ہے)

***

سوانح: داعی الی اللہ

حضرت مولانا سعید احمد خان مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب رحمہ اللہ نے امت مسلمہ کی رہنمائی کے لیے دنیا بھر میں تبلیغی اسفار کئے اور اس دوران وعظ ونصیحت کا سلسلہ جاری رہا جو دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والوں کے لیے نایاب تحفہ ہے، حضرت کے خطابات کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ ادارہ قسط وار حضرت کی کتاب کا سلسلہ شروع کر رہا ہے۔ ان شاء اللہ العزیز یہ قارئین کے لیے علم، بصیرت اور فہمِ دین کے کئی پہلو پر رہنمائی کریں گی۔

حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب کی پیدائش 1903ء کی تھی، نسلاً افغانی تھے، ضلع سہارنپور میں کھیڑہ افغان نامی بستی میں آپ کا زمیندارہ تھا، میٹرک پاس کر کے زمینداری کے کام میں مصروف ہو گئے، ایک بار حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کوئی کتاب غالباً "حیاۃ المسلمین" پڑھی، تو علم دین حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا، پڑھنے کے لئے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور جا پہنچے، 21 یا 22 سال کے کشیدہ قامت، بھرپور جوان تھے، اہل مدرسہ نے یہ کہہ کر نکال دیا کہ تو اتنا بڑا ہے، ان بچوں کے ساتھ بیٹھتے ہوئے شرم نہیں آئے گی؟ مگر وہاں دین سیکھنے کی ایسی لگن تھی، جو چین نہیں لینے دے رہی تھی، جب کسی طرح اہل مدرسہ نے قبول نہیں کیا تو اپنے گاؤں واپس آ کر اسی سوچ وفکر میں تھے کہ کیسے علم دین حاصل کروں کسی نے بتایا کہ عالم ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے نواسے (حکیم محمود صاحب) مدرسہ مظاہر العلوم کے سرپرست ہیں، اگر حضرت سفارش کریں تو اہل مدرسہ انکار نہیں کر سکیں گے، گنگوہ کھیڑہ افغان سے چند میل کے فاصلے پر تھا، فوراً جا پہنچے، حکیم محمود صاحب آپ کی طلب دیکھ کر ساتھ لے کر مدرسہ مظاہر العلوم پہنچ گئے،

انہوں نے اہل مدرسہ سے فرمایا جب اسے بچوں کے ساتھ بیٹھتے شرم نہیں آتی تو تمہیں کیوں شرم آتی ہے؟ غرض ان کے کہنے پر اہل مدرسہ نے داخل کرلیا، اس طرح مولانا سعید احمد خان صاحبؒ اپنے ذاتی ذوق و شوق کی بدولت بڑی عمر میں علم دین سیکھنے کے لئے ہندوستان کی عظیم درسگاہ مظاہر العلوم میں داخل ہوئے۔

مظاہر العلوم میں مولانا الیاس صاحبؒ کا آنا جانا رہتا تھا، یہاں مولانا الیاسؒ کے بڑے بھائی مولانا یحییٰ صاحبؒ کے عظیم بیٹے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ اور سب سے بڑھ کر آپ کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ قیام فرماتے تھے۔ حضرت مولانا الیاسؒ کی امت کی زبوں حالی اور دین کی دوری میں تڑپتا ہوا دل ہر وقت دین کی محنت کے لئے افراد کار کی تلاش میں رہتا۔ آپ کی نظر گوہر شناس نے مدرسہ کے سینکڑوں طلبہ میں مولانا سعید احمد خان صاحبؒ اور مولانا عبید اللہ صاحبؒ کا انتخاب کرلیا اور انہیں اپنے خصوصی دامن تربیت میں لے لیا، پھر آپ پر حضرت مولانا الیاسؒ کی نظر التفات بڑھتی گئی، پڑھنے کے زمانے ہی میں حضرت مولانا الیاسؒ نے سات چلوں کا عہد لے لیا تھا۔

مولانا سعید احمد خان صاحبؒ مدرسہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے گاؤں آکر زمیندارہ دیکھنے لگے اور کام کاج میں ایسے الجھے کہ اب سات چلوں کا وقت نکالنا دشوار ہونے لگا مگر حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی نظر التفات کھینچ رہی تھی، مولانا نے کسی طرح زمینوں کی نگہداشت کا بندوبست کر کے ایک چلے کا انتظام کیا اور اخراجات لے کر ایک چلہ لگانے کے ارادہ سے نکل پڑے، حضرت مولانا الیاس صاحب ؒ نے دیکھتے ہی فرمایا!! سات چلوں کے لئے تیار ہوکر آئے ہو؟ مولانا سعید احمد خان صاحبؒ کی زبان سے "جی ہاں" نکل گیا، مولانا فرماتے تھے اس کے بعد ساری رات میری اپنے نفس سے لڑائی ہوتی رہی نفس کہتا تو نے محض ایک چلہ کے انتظامات کئے ہیں، چلے سے زیادہ کس طرح لگا سکتے ہو؟ میں کہتا حضرت سے سات چلوں کے لئے "جی ہاں" کہہ دیا ہے، لہٰذا جو ہو جائے سات چلے تو لگانے ہیں، فرماتے تھے اس طرح ساری رات کی لڑائی اور کشمکش کے بعد بالآخر میں اپنے نفس پر غالب آ گیا، فرماتے تھے میں نے اس وقت اپنی کیفیت پر کچھ اشعار بھی کہے تھے ان میں سے ایک شعر یہ ہے۔

ے

کس بے خودی میں، میں نے چند بول بول ڈالے
مدت سے پھر رہا ہوں کندھے پر ڈول ڈالے

آپ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی شفقتوں اور خصوصی عنایات کے واقعات بڑی تفصیل کے ساتھ سنایا کرتے تھے کہ کس طرح مولانا الیاس صاحبؒ دہلی کے مخصوص احباب کی ملاقاتوں میں ہر وقت ساتھ رکھتے حتی کہ دہلی کی بعض مشہور تاریخی عمارات کی سیر مولانا نے بہ نفس نفیس ساتھ لے جا کر کروائی، مولانا سعید احمد خان صاحبؒ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی تربیت، دعوت، حکمت کے واقعات سنانے لگتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ طوفان کا بند کھل گیا ہے جواب بند نہیں ہوگا، اپنے خاص انداز میں گھنٹوں واقعات سناتے، 1944ء میں حضرت مولانا الیاسؒ کے انتقال کے بعد آپ کے خلف الرشید مولانا یوسفؒ نے دعوت کے کام کی ذمہ داری سنبھالی، اس وقت مولانا سعید احمد خان صاحبؒ حضرت مولانا یوسف صاحبؒ کے خصوصی جاں نثار رفقاء میں شمار کئے جانے لگے۔

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کو اس بات کی بڑی تڑپ وتمنا تھی کہ دعوت کا کام اس کے اصل مرکز، مہبط وحی مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ سے ہونا چاہیے۔ آپ سمجھتے تھے کہ فطری طور پر اس کام کی اہلیت خصوصاً مدینہ منورہ حجاز مقدس کے رہنے والوں میں سے سب سے زیادہ ہے، اللہ تعالی نے خانہ کعبہ کو ھدی للناس اور مثابۃ للناس بنایا ہے اور حدیث شریف میں کعبۃ اللہ کو زمین کی ناف (مرکز و وسط) فرمایا گیا۔ اگر یہاں دین کی دعوت کا ماحول بن جائے تو دنیا بھر میں حج و عمرے کے لئے آنے والوں کی بدولت بہ آسانی امت مسلمہ کے رجوع الی الآخرۃ اور رجوع الی الدین کا ذریعہ بن سکتا ہے، چنانچہ مولانا الیاس صاحبؒ کی وفات کے بعد 1949ء میں حضرت مولانا یوسف صاحبؒ نے حجاز مقدس کے باشندوں کو متوجہ کرنے اور ان کو دعوت کے کام پر آمادہ کرنے کے لئے ایک جماعت روانہ کی، جس میں مولانا سعید احمد خان صاحبؒ، مولانا عبید اللہ صاحبؒ اور مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحبؒ تھے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجاز مقدس میں مستقل قیام کر کے دعوت کے کام کی ذمہ داری سنبھالنے کا قرعہ نیک فال حضرت مولانا سعید احمد خان صاحبؒ کا مقدر بنا، اس طرح مولانا کو ایک عظیم و مبارک مقصد کی خاطر حجاز میں مستقل قیام کی سعادت حاصل ہوئی اور آپ نے نصف صدی کے قریب سعودی عرب میں دعوت کے امیر کی حیثیت سے دن رات کام کیا۔ مولانا کی اب ایک ہی فکر وتڑپ تھی کہ زائرین بیت اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر کو اپنی فکر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کو اپنا کام بنا کر لوٹیں اور یہاں سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی اور اتباع سنت کی سوغات لیکر جائیں، خاص طور پر حج کے موسم میں آپ کی فکر و محنت کا میدان انتہائی وسیع ہو جاتا، سعودی

عرب کے تبلیغی احباب کے علاوہ ہندو پاک سے بھی بہت سی جماعتیں اور پرانے کام کرنے والے مولانا کا ہاتھ بٹاتے اور آپ سے استفادہ کرنے کی نیت سے وہاں پہنچتے، ان سب کی دن رات یہ کوشش رہتی کہ دنیا کے ہر ہر ملک کے حجاج کرام سے رابطہ کر کے انہیں دعوت الی اللہ کو مقصد حیات بنانے پر آمادہ کیا جائے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فکر و زندگی سمجھائی جائے، روزانہ مسجد حرام میں فجر کی نماز کے بعد مولانا گھنٹوں نہایت دل سوزی و درمندی سے اسطرح بیان فرماتے گویا دل وجگر نکال کر رکھ دیتے۔ ایام حج میں مولانا کے بیانات کے دو خاص موضوع ہوتے، ایک حج کیسا ہو؟ یعنی کن اعمال و اوصاف سے حج مقبول و مبرور ہوگا اور دوسرا عملی زندگی کیسی ہو؟ مولانا فرماتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 23 سال تک صحابہ پر محنت فرمائی، ان کو صفات کے اعتبار سے بیت اللہ پر آنے کے قابل بنایا، پھر ان کو حجۃ الوداع میں اللہ تعالی کی بارگاہ میں پیش کر کے پورے عالم کی ہدایت کے فیصلے کروائے۔

بندہ نے ستمبر 1971 سے جولائی 1972ء تک حضرت مولانا کی خدمت میں قیام کے زمانہ میں دیکھا روزانہ نماز عشاء کے بعد مسجد حفائر (مکہ مکرمہ کا تبلیغی مرکز میں کبھی ترکی والوں کو جمع کیا جا رہا ہے کبھی یوگوسلاویہ والوں کو کبھی سوڈان اور کبھی انڈونیشیا والوں کو، ہر ملک کے حاجیوں سے رابطہ و ملاقاتوں کیلئے جماعتیں بن رہی ہیں۔ اسی طرح دنیا بھر سے آئے ہوئے علماء و مشائخ کی دعوت کی جاتی، خاص طور پر روس، چین، منگولیا، جاپان کے مسلمانوں کی تلاش کیلئے جماعتیں بنتی، پارے کی طرح مولانا کے تڑپتے ہوئے دل کا سوز دروں، مولانا کو کسی طرح چین نہیں لینے دیتا تھا، ان ایام میں بندہ گھر کے ایک فرد کی طرح ساتھ رہا مولانا کی زندگی کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔

مولانا کی زندگی میں اتباع سنت کا جو اہتمام دیکھا، اس دور میں وہ اس لحاظ سے اپنی واحد مثال آپ تھے۔ تقوی وطہارت، انابت وتعلق مع اللہ خشیت وخوف الہی، مجاہدہ و ریاضت، ایثار وتوکل اور مہمان نوازی و اکرام کی ایک ایسی تصویر تھے جس پر محض رشک ہی کیا جا سکتا ہے، تہجد میں گھنٹوں اللہ کے سامنے گڑگڑا رہے ہیں، پھر تلاوت میں مشغول ہیں، پھر فجر کی نماز کے بعد دو ڈھائی گھنٹے تڑپ تڑپ کر دنیا بھر سے آئے ہوئے حاجیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فکر و محنت سمجھا رہے ہیں، پھر اشراق کی نماز کے بعد مشورہ ہو رہا ہے، چلتے چلاتے ناشتہ کیا اور اسکے بعد ظہر تک مختلف علماء کرام وشیوخ اور سعودی اکابرین سے خصوصی ملاقاتیں ہو رہی ہیں، نماز ظہر حرم میں ادا کر کے تبلیغی رفقاء کے ساتھ مدرسہ میں کھانا تناول فرما رہے ہیں، کھانے کے بعد پھر

ملاقاتیں، عصر کی نماز کے بعد حرم میں دین کی محنت پر مختصر بات پھر مغرب تک کیلئے حرم میں ملاقاتوں کیلئے جماعتیں پھیلا دی جاتیں، مغرب سے عشاء تک پھر بیان عشاء کے بعد طویل مشورہ، غرض مولانا کی طویل زندگی جہد مسلسل سے عبارت تھی، جس میں راحت و آرام، کھانے پینے کا بس اس قدر حصہ تھا جو انسان کے زندہ رہنے کیلئے ضروری ہے۔

عموماً بعد نماز عشاء رات دیر تک حضرت مولانا کی مجلس ہوتی، جس میں تبلیغی رفقاء کے علاوہ چیدہ چیدہ حضرات اہتمام سے پہنچتے، یہ ایک غیر رسمی مجلس ہوتی، جس میں دینی مسائل، بزرگوں کے واقعات، دعوت و سیرت کے مختلف پہلو سامنے آتے، لوگ احرام، طواف وسعی اور حج وعمرہ کے مسائل پوچھتے، جماعتوں کی کارگزاریاں سامنے آتیں، مختلف ممالک کے لوگوں سے ملاقات کے لئے جماعتیں بنتیں، مسائل دریافت کرنے والوں کو مزاح اور پر لطف جواب عنایت فرماتے، ایک شخص پوچھ رہا ہے حضرت میں مدینہ منورہ سے احرام باندھ کر آرہا تھا کہ راستے میں رابغ میں اتر کر عصر کی نماز پڑھی، بیت الخلاء کا لوہے کا دروازہ لگ گیا اور خون نکل آیا تو کیا واجب ہے؟ فرمایا: دم تو تیرا نکل ہی چکا ہے دم کیا واجب کریں، اچھا تو کل ان لوگوں کے ساتھ گشت میں چلے جانا۔ شب عید مولانا رفقاء کو ہدایات دے رہے ہیں کہ یہاں (مدینہ منورہ میں) عید کی نماز بالکل اوّل وقت میں ہوتی ہے، تمہیں تو شبہ ہوگا کہ ابھی تو اشراق کا وقت بھی ہوا کہ نہیں، نماز عید ہو جائے گی، اس لئے تہجد کی نماز مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں پڑھ کر اپنی اپنی جگہ پر ہی بیٹھے رہنا اور جتنی بار امام تکبیر کہے تم بھی کہتے رہنا (مدینہ منورہ میں زائد تکبیریں نو یا تیرہ بار ہوتی ہیں۔ ایک مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت عید کی نماز کا مصافحہ تو ثابت نہیں ہے؟ حضرت نے فرمایا: "میاں یہ مسئلے تم اپنے ملکوں میں رکھو یہاں تو مصافحہ و معانقہ سے بھی آگے بہت کچھ ہوگا (یعنی تقبیل پیشانی وشانوں کا بوسہ)۔" وہ عجیب دن تھے محفل پیر میخانہ کے دم سے پر رونق رہتی، ساتھ ہی ایسا علمی عملی و دعوتی ماحول بنتا کہ چند دنوں میں انسان کو آخرت کی فکر پیدا ہو جاتی اور بقدر استعداد ہر شخص پر دین کی محنت و دعوت کا رنگ چڑھ جاتا۔

(جاری ہے)

❊❊❊

نکلتے سورج کا ملک جزائر فیجی کا ایک سفر

(جنوری 2005ء/ ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ)

سفر نامہ:

شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی مدظلہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ نے امت مسلمہ کی رہنمائی کے لیے دنیا بھر کا سفر کیا ہے۔ ان سفروں کے دوران پیش آنے والے واقعات، مختلف علاقوں کی ثقافت، وہاں کے معاشرتی و دینی حالات کو حضرت نے نہایت حسین انداز میں قلم بند فرمایا ہے۔ ان تجربات و مشاہدات کو ''جہان دیدہ'' ''دنیا مرے آگے'' اور ''سفر در سفر'' جیسی قیمتی کتب کی شکل میں مرتب کیا گیا ہے۔ زیرِ نظر شمارے میں حضرت کی کتاب سفر در سفر کا قسط وار سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے۔ ان شاء اللہ العزیز یہ سفر نامہ قارئین کے لیے علم، بصیرت اور فہمِ دین کے کئی در وا کرے گا۔

حمد و ستائش اس ذات کیلئے ہے جس نے اس کارخانہ عالم کو وجود بخشا اور درود و سلام اس کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔

دنیا کے نقشے پر نظر ڈالیں تو جنوبی بحرالکاہل کے انتہائی مشرقی خط پر نیوزی لینڈ سے قدرے شمال کی جانب ایک چھوٹا سا نقطہ فیجی نظر آتا ہے، یہ دنیا کا وہ واحد آباد علاقہ ہے جو انٹرنیشنل ڈیٹ لائن پر واقع ہے، اور جہاں ہر روز دنیا میں سب سے پہلے سورج طلوع ہوتا ہے، تین سو سے زائد چھوٹے بڑے جزیروں پر مشتمل اس خوبصورت ملک کی یہ خصوصیت میں انشاء اللہ آگے تفصیل سے ذکر کروں گا، تقریباً آٹھ لاکھ آبادی کے اس ملک میں تقریباً ساٹھ ہزار مسلمان بھی بستے ہیں۔ پچھلے سال جب میں دوسری بار آسٹریلیا گیا تو یہاں کے مسلمانوں نے مجھے فیجی آنے کی بھی دعوت دی لیکن بوجوہ میں اُس وقت یہ سفر نہ کر سکا۔ تقریباً چھ

ماہ قبل مجھے اس ملک کے شہر لمبا سا سے مولانا غفران صاحب نے بڑا اثر انگیز خط لکھا جس میں انہوں نے اس دور افتادہ ملک کے حالات ذکر کر کے یہ بتایا کہ انہوں نے کن مشکل حالات میں یہاں ایک باقاعدہ دینی درسگاہ کی بنیاد ڈالی، جو بفضلہٖ تعالیٰ ترقی کے مراحل طے کرتی ہوئی اب ایسے مقام پر پہنچی ہے کہ وہاں شوال ۱۴۲۵ھ کے تعلیمی سال سے دورۂ حدیث کی تعلیم کا آغاز کرنے کا ارادہ کرلیا گیا ہے اور یہاں کے اساتذہ طلبہ اور منتظمین کی متفقہ خواہش ہے کہ دورۂ حدیث کا آغاز آپ سے کرایا جائے۔ مجھے اس بات کا پورا احساس تھا کہ جنوبی بحر الکاہل کے ملک میں ضرورت کے باوجود کہیں بھی کوئی باضابطہ دینی درسگاہ موجود نہیں ہے، اور اس علاقے میں صاحب استعداد علماء کی انتہائی قلت ہے، اور ان ممالک میں کسی بھی جگہ ایسی درسگاہ کا وجود میں آنا بڑی نعمت ہے، جس کا خیر مقدم کرنا چاہئے۔

چنانچہ میں نے ان کی دعوت قبول کرلی، اور اپنی مصروفیات کی وجہ سے سفر کی تاریخوں میں ردو بدل ہوتے ہوئے بالآخر میں 6 اور 7 جنوری 2005 کی درمیانی رات میں ایک بجے اس طویل سفر کیلئے کیتھے پیسفک (Cathay Pacific) ایئر لائنز کے ذریعے روانہ ہوا۔ میں نے اب تک بڑے لمبے لمبے سفر کئے ہیں لیکن اپنے تسلسل کے اعتبار سے یہ میرا طویل ترین فضائی سفر تھا۔ رات ایک بجے روانہ ہو کر صبح چھ بجے کے قریب جہاز بنکاک پہنچا اور وہاں سے روانہ ہو کر ساڑھے بارہ بجے ہانگ کانگ کے ایئر پورٹ پر اترا، وہاں سے دو گھنٹے کے انتظار کے بعد اسی ایئر لائنز کے ایک دوسرے جہاز میں سوار ہو کر شام ساڑھے چھ بجے جنوبی کوریا کے دارالحکومت سیول کے ہوائی اڈے پر اترا۔ یہ ایک وسیع و عریض اور تمام جدید سہولیات سے آراستہ نہایت خوبصورت ایئر پورٹ تھا جہاں سردی نقطہ انجماد تک پہنچی ہوئی تھی، یہاں بھی دو گھنٹے انتظار کے دوران ہم نے پہلے مغرب اور پھر عشاء کی نمازیں ادا کیں، اور یہاں سے کورین ایئر لائنز کے طیارے میں سوار ہوئے۔ یہ دس گھنٹے پر مشتمل اس سفر کی طویل ترین پرواز تھی جس میں جہاز رات بھر بحر الکاہل پر پرواز کرتا رہا، اور صبح نو بجے فیجی کے بین الاقوامی ایئر پورٹ نادی پر اترا۔ فیجی چونکہ خط استوا کے جنوب میں واقع ہے، اس لئے یہاں دسمبر اور جنوری سخت گرمی کے مہینے ہیں۔ سیول تک سخت سردی تھی، اور یہاں اُترتے ہی شدید گرمی کا احساس ہوا۔ ہوائی اڈے پر مولانا غفران صاحب اور ان کے رفقاء استقبال کیلئے موجود تھے، ہمیں مسلسل سفر کرتے ہوئے پچیس گھنٹے سے زیادہ ہو چکے تھے۔ مگر ابھی سفر جاری تھا، کیونکہ ہماری منزل فیجی کا ایک دوسرا شہر لمبا سا تھا۔

یہ جمعہ کا دن تھا، اور لمباسا کیلئے روانگی جمعہ کے بعد ہوئی تھی۔اس دوران ہمارے نہایت عزیز دوست آصف صاحب کے مکان پر قیام رہا۔آصف صاحب پاکستانی ہیں اور تین سال سے فیجی میں کاروں کی تجارت سے وابستہ ہیں، اور اپنے دینی جذبے کی وجہ سے یہاں کے دینی حلقوں میں بڑے ہردلعزیز ہیں، اس پورے سفر میں انہوں نے بڑی دقیقہ رسی سے ہماری راحت رسانی کا خیال رکھا، اللہ تعالی انہیں جزائے خیر عطا فرمائے ۔ جمعہ کے فورا بعد ہم دوبارہ ایئر پورٹ پہنچے، اور سوا دو بجے فیجی ایئر کے ایک چھوٹے سے طیارے میں آدھے گھنٹے کی پرواز کے بعد فیجی کے دارالحکومت سووا کے ایئر پورٹ پر اترے، یہاں ہمیں مزید دو گھنٹے لمباسا لے جانے والے طیارے کا انتظار کرنا تھا، دو راتوں کی بے خوابی اور طویل سفر کی بناء پر یہ دو گھنٹے کا انتظار تقریبا نا قابل برداشت معلوم ہو رہا تھا، آصف صاحب نے یہ انتظام کیا کہ اپنے سووا کے آفس سے ایک ایئر کنڈیشنڈ کار منگوا کر پارکنگ میں کھڑی کردی، اور اس کی سیٹ پر مجھے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے سونے کا موقع مل گیا، اور جب جہاز میں سوار ہونے کا وقت آیا تو طبیعت نسبتا تازہ ہو چکی تھی۔

اب آگے بڑھنے سے پہلے فیجی کا مختصر تعارف کرادینا مناسب ہے: یوں تو فیجی تین سو چھتیس چھوٹے بڑے جزیروں پر مشتمل ملک ہے، لیکن ان میں سے اکثر جزیرے بہت چھوٹے اور غیر آباد ہیں، البتہ دو جزیرے زیادہ بڑے ہیں، اور ملک کے اکثر بڑے شہرانہی جزیروں میں واقع ہیں۔سب سے بڑا جزیرہ ویتی (Viti) ہے۔اسی میں ملک کا دارالحکومت سووا (Suva) واقع ہے اور اس کا دوسرا بڑا شہر نادی ہے جو لکھا تو نادی (Nadi) جاتا ہے، مگر یہاں کے لوگ اس کا تلفظ نیندی" کرتے ہیں، نادی میں بڑا بین الاقوامی ایئر پورٹ ہے، اس لئے دنیا بھر سے آنے والے اکثر نادی میں آکر اُترتے ہیں، جو دارالحکومت سووا سے 190 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔دوسرا بڑا جزیرہ وینوا (Vanua) ہے۔اس جزیرے کا سب سے بڑا شہر لمباسا ہے۔

فیجی کے جزائر میں جو قوم نامعلوم تاریخ کے وقت سے آباد ہے، وہ کاویتی کہلاتی ہے، مشہور یہ ہے کہ یہ لوگ افریقہ کے ملک تانگانیکا موجودہ کینیا) سے آکر یہاں آباد ہوئے تھے، بعض مورخین کہتے ہیں کہ انڈونیشیا سے یہاں پہنچے تھے، اور واقعہ یہ ہے کہ ان کے خدوخال میں افریقہ اور جنوبی ایشیاء دونوں کی آمیزش معلوم ہوتی ہے۔انگریزوں کا کہنا ہے کہ یہ وحشی اور آدم خور قبائل تھے، اٹھارہویں صدی میں انگریز یہاں پہنچے اور انہوں نے ان جزائر کو فتح کر کے انہیں اپنی کالونی بنالیا۔کاویتی قوم کی بہت سے عادتیں ایسی

ہیں جن کی بنا پر شبہ ہوتا ہے کہ شاید ان کے آباؤ اجداد کبھی مسلمان رہے ہوں، یہ لوگ زمین پر دسترخوان بچھا کر کھانا کھاتے ہیں، ان کے لباس کی خصوصیت یہ ہے ان کا زیر جامہ آدھی پنڈلی تک ہوتا ہے، شروع میں یہ تہبند پہنتے تھے، اب مرد بھی اسکرٹ قسم کا ایک لباس پہنتے ہیں، مگر وہ آدھی پنڈلی تک ہوتا ہے، اس کے علاوہ یہ بڑے مہمان نواز ہوتے ہیں۔ کوئی شخص ان سے کچھ مانگ لے تو انکار کرنے کو عیب سمجھتے ہیں، غرض متعدد خصوصیات کی بناء پر یہاں کے مسلمانوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ یہ لوگ ابتداء میں مسلمان رہے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس ملک کی آبادی 1996ء کی مردم شماری کے مطابق 772655 تھی جو اب یقیناً آٹھ لاکھ سے بڑھ گئی ہوگی، اس وقت آبادی کا 47.6 فیصد حصہ ہندوستانی نژاد لوگوں کا ہے جن میں ہندوؤں کی تعداد زیادہ ہے اور تقریباً ساٹھ ہزار افراد مسلمان ہیں۔ یہ ہندوستانی نژاد افراد ابتداء میں جس طرح یہاں لائے گئے، وہ انگریزی استعمار کی بربریت کی ایک گھناؤنی مثال ہے، جب انگریزی سامراج نے اس علاقے پر اپنی حکومت قائم کی تو اس نے محسوس کیا کہ یہ علاقہ ناریل اور گنے کی کاشت کیلئے بہت موزوں ہے لیکن مقامی آبادی کو اس قسم کی کاشت کا تجربہ نہیں تھا، اس لئے اُس وقت کے انگریز گورنر کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ ہندوستان سے (جو اس وقت انگریز ہی کی کالونی تھی) تجربہ کار کاشتکار یہاں لائے جائیں، چنانچہ غریب ہندوستانیوں کو فیجی بھیجنے کی ایک مہم مدراس، کیرالہ، بنگال اور یوپی میں شروع ہوئی۔ ہندوستانی کاشتکاروں کو یہ دھوکہ دیا گیا کہ ان کو بہتر روزگار فراہم کرنے کیلئے کلکتہ سے کچھ دور واقع ایک جزیرے میں لے جایا جائے گا جہاں ان سے ہلکا پھلکا کام لے کر انہیں اچھی اُجرت دی جائے گی، ان غریب ہندوستانی افراد نے اس دھوکے میں آکر ان کے ساتھ جانا منظور کر لیا، یہ انہیں جہاز پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ ان کو ہزاروں میل دور لے جایا جا رہا ہے، جہاز پر انہیں انتہائی ابتر حالت میں رکھا گیا، کھانا سمندر کے پانی سے تیار کیا جاتا، چاولوں میں کیڑے ہوتے اور رہائش کی جگہ بہت تنگ، بہت سے افراد سفر کے دوران ہلاک ہو گئے، اور بہت سے مختلف امراض میں مبتلا ہو کر فیجی پہنچے، فیجی میں انہیں جانوروں کے باڑے جیسے کیمپوں میں رکھا جاتا، 10 * 7 کے ایک کمرے میں جس میں ہوا کا گزر نہیں تھا، کئی کئی افراد کو ایک ساتھ رکھا جاتا، اور صبح 5 بجے سے رات گئے تک ان سے نہایت پُر مشقت کام لیا جاتا۔ اگر کام کے دوران کوئی ستانے کیلئے کچھ دیر ہاتھ روک لیتا تو اس پر انگریز اوورسیز کو کوڑے برساتے۔ صرف ان عورتوں کے ساتھ کچھ رعایت برتی

جاتی جوان اوورسیز کی ہوس پوری کرنے کیلئے اپنی عزت وعصمت کی قربانی دینے کو تیار ہوتیں۔ بہت سے ہندوستانی جنہیں فیجی کا انگریز گورنر قلی" کہا کرتا تھا۔

ان مظالم کی تاب نہ لا کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور بہت سوں نے خودکشی کرلی۔ آج فیجی کے جزیروں میں ناریل کے درختوں کے جو لاتعداد جھرمٹ قدم قدم پر نظر آتے ہیں اور جن پر فیجی کی معیشت کا بڑی حد تک دارومدار ہے، وہ انہی بے بس ہندوستانیوں کے خون پسینے سے سیراب ہوئے ہیں۔ جنہوں نے سالہا سال یہاں بدترین غلامی کا دور گزارا ہے۔ ہندوستانیوں کی یہاں آمد اور ان کے عہد غلامی کے یہ حالات تفصیل کے ساتھ فیجی کے ایک مؤرخ کم گریول (Kim Gravelle) نے اپنی کتاب" فیجی کا ورثہ (Fiji's Heritage) میں بیان کئے ہیں۔ جو نادی میں شائع ہوئی ہے۔

بہرکیف! فیجی میں ہندوستانیوں کی آمد کی ابتداء اس طرح ہوئی، جب فیجی کی زمینیں ناریل کے باغات اور گنے کے کھیتوں سے لہلہا اُٹھیں تو یہ ہندوستانی افراد اسی زمین کے ہو رہے، ان کا عہد غلامی ختم ہوا، اور انہوں نے یہاں باعزت روزگار تلاش کرلیا۔ جب یہ لوگ قدرے خوشحال ہوئے تو ہندوستان سے بہت سے لوگ تجارت اور ملازمت کیلئے بھی یہاں آ کر آباد ہو گئے، اور اس طرح یہاں کی آبادی کا چھیالیس فیصد سے زائد حصہ انہی ہندوستانیوں پر مشتمل ہے۔ ان میں مسلمانوں کی بھی ایک بڑی تعداد تھی جو اس علاقے میں اسلام کے متعارف ہونے کا ذریعہ بن گئی، ابتداء میں جو مسلمان یہاں آئے تھے، وہ نماز روزے اور دوسرے شعائر اسلام کے فی الجملہ پابند تھے انہوں نے یہاں مسجدیں بھی تعمیر کیں، لیکن چونکہ نئی نسلوں کی تعلیم وتربیت کا کوئی انتظام نہ تھا، اور ہندوؤں، عیسائیوں اور سکھوں کے ساتھ میل جول کثرت سے تھا، اس لئے رفتہ رفتہ دین پر عمل کے آثار ماند پڑتے چلے گئے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے تبلیغی جماعت کو یہاں دین کے احیاء کا ذریعہ بنایا۔ پہلی بار زمبیا سے ایک جماعت (غالباً 1967ء میں) یہاں آئی اور اس نے لوگوں میں دین کی طرف لوٹنے کا جذبہ پیدا کیا، اور لوگ اپنے دینی فرائض سے آگاہ ہوئے، مزید مسجدوں کی بنیاد رکھی گئی، مسجدوں میں بچوں کی ابتدائی تعلیم کیلئے مکتب قائم ہوئے، یہاں تک کہ اب بفضلہ تعالی ملک کے طول و عرض میں دینی سرگرمیاں اہتمام کے ساتھ جاری ہیں۔ (جاری ہے)

***

شانِ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

محمد جریر اسعد
معلم جامعہ دار التقوی

سلطان عمرؓ مولا، ایمان عمرؓ مولا
ہے آپ پہ ہر مسلم، قربان عمرؓ مولا

آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں ہیں، اللہ کی عطائیں ہیں
ہیں آپ تو اللہ کا، احسان عمرؓ مولا

فاروقؓ کی ہر رائے، اللہ کو پسند آئے
تائید کرے جن کی، قرآن، عمرؓ مولا

سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پراونہ، صدیقؓ سے یارانہ
کیا خوب ہے نسبت کا فیضان عمرؓ مولا

فاروقؓ کہیں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، وہ فرق کریں سب کا

ہیں مؤمن و کافر کی پہچان عمرؓ مولا

جو آپ کی الفت ہے، ایماں کی علامت ہے
اور آپ کے دشمن ہیں شیطان، عمرؓ مولا

سرکار کے روضے میں، اک نور کے پلڑے میں
فردوس کے باسی ہیں، ذیشان عمرؓ مولا

اسعد کا عقیدہ ہیں، ایماں کا تقاضا ہیں
ایمان کے مضموں میں عنوان عمرؓ مولا

***

محرم یعنی عاشورہ کا روزہ کیوں رکھتے ہیں؟

اس بارے میں بخاری شریف کی حدیث میں صراحت موجود ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے اور یہودیوں کو دیکھا کہ وہ عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: یہ خوشی کا دن ہے، اس دن میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دشمن سے نجات دلائی تھی تو موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تم سے زیادہ تعلق رکھتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی روزہ رکھا اور روزے کا حکم بھی دیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ عاشورہ کے دن روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو، اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا روزہ بھی رکھو۔

آپ کے مسائل اور ان کا حل

دارالافتاء والتحقیق جامعہ دارالتقویٰ، لاہور

محرم کے موقع پر کالے کپڑے پہننا

سوال: محرم الحرام میں کالے کپڑے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ محرم میں چونکہ شیعہ کالے کپڑے سوگ اور غم کے طور پر پہنتے ہیں اس لیے ان کی مشابہت ہے۔ ہمارے ہاں ایک مدرسہ ہے وہاں کے لوگ طلبہ کے بارے میں محرم کے دنوں میں خاص اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ کوئی طالب علم کالے کپڑے پہن کر نہ آئے۔

جواب: محرم کے دنوں میں شیعوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے کالے کپڑے پہننا جائز نہیں ہے، مدرسہ والوں کا یہ اہتمام درست ہے۔

محرم میں نکاح کرنا

سوال: کیا محرم میں نکاح کرنا جائز ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی زندگی سے ثابت کیا جا سکتا ہے؟

جواب: محرم الحرام کے مہینے میں نکاح کرنے میں کوئی قباحت نہیں، دیگر مہینوں کی طرح اس ماہ مبارک میں بھی نکاح کرنا درست اور جائز ہے، بلکہ اس ماہ میں نکاح نہ کرنے کی رسم کو ختم کرنے کے لیے نکاح کرنا موجب اجر ہوگا۔ اگر اس ماہ مبارک میں شہادتوں کی وجہ سے اس کو غم اور سوگ کا مہینہ قرار دے کر نکاح سے احتراز کیا جائے تو سال بھر میں کوئی مہینہ ایسا نہیں جس میں کسی عظیم شخصیت کی شہادت کا واقعہ پیش نہ آیا ہو اور اس بنا پر تمام مہینوں میں نکاح سے احتراز ناممکن بات ہے۔ اس لیے محرم الحرام میں بھی نکاح کرنا عام مہینوں کی طرح جائز ہے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا

نکاح سن 2 ہجری ماہ محرم الحرام میں ہوا تھا، سیرۃ المصطفی میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اسی سال (یعنی سن 2 ہجری میں، اس میں اختلاف ہے کہ مہینہ کون سا تھا، ذوالحجہ محرم یا صفر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمائی"۔ (سیرۃ المصطفی 171 / 2، ط: الطاف سنز) بعض مؤرخین نے ماہ محرم میں ہی نکاح کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔فقط واللہ اعلم

اہل تشیع کی مجالس میں شرکت

سوال:۔شیعہ حضرات کی مجالس میں شرکت کرنے ان کے نوحہ سننے اور بذات خود پڑھنے اور محرم میں اپنے معمول کے طور پر کالے کپڑے زیب تن کیے جائیں تو کیا یہ ٹھیک ہے یا اس پر بھی من تشبہ بقوم فھو منھم کا حکم لگایا جائے گا؟

جواب:۔

(1) جو مجالس غیر شرعی امور پر مشتمل ہوں ان میں شرکت کرنا ناجائز ہے، نیز نوحہ پڑھنا اور سننا بھی شرعاً ناجائز ہے۔

(2) محرم الحرام کے مہینے میں سیاہ لباس پہننا چونکہ کہ ایک خاص طبقہ کا شعار بن چکا ہے؛ اس لیے محرم کے مہینے میں سیاہ لباس پہننا درست نہیں، خواہ اپنے معمول کے طور پر ہی کیوں نہ ہو۔

کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال (9/22) من کثر سواد قوم فھو منھم، ومن رضی عمل قوم کان شریکاً في عمله". "الديلمي عن ابن مسعود

قرآن پاک کے بوسیدہ اوراق کا حکم

سوال:۔اگر کسی آدمی نے قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق دریا برد کر دیے ہوں دراں حالیکہ دریا کا پانی عروج پر ہو۔آیا اس سے قرآن کریم کی بے حرمتی لازم آتی ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ یہ کاغذات دریا میں وزن کے ساتھ ڈالے تھے کہ جس سے وہ تیرنے کے بجائے نیچے تہ میں بیٹھ جائیں۔

جواب: قرآن پاک کے بوسیدہ اوراق کے بارے میں بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ انہیں کسی کپڑے میں لپیٹ کر ایسی جگہ دفن کر دیا جائے جہاں لوگوں کے چلنے پھرنے یا نجاست وغیرہ پہنچنے کا امکان نہ ہو۔اگر اس

کے بجائے کسی بڑی نہر یا دریا میں بھی کسی وزنی چیز کے ساتھ ڈال دیئے تو بھی گنجائش ہے۔ اور یہ قرآن پاک کی بے ادبی شمار نہ ہوگی۔

کپڑے تبدیل کرنے میں سنت طریقہ

سوال:۔ ہفتے میں کتنے بار کپڑے بدلنا سنت ہے، نیز نبی ﷺ کی عادت مبارکہ کیا تھی ؟ جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

جواب:۔ صاف ستھرے رہیں اور کپڑے بھی صاف رکھیں۔ کوئی حد بندی نہیں ہے۔

کرسی پر بیٹھ کر ٹانگ پر ٹانگ رکھنا

سوال:۔ 1۔ ایک بھائی سے سنا ہے کہ کرسی وغیرہ پر بیٹھ کر مثلاً دائیں پاؤں کو بائیں ران پر رکھنا تکبر کی علامت ہے اس کی وضاحت فرمادیں۔

جواب:۔ ایسی بات نہیں ہے۔

کھانے پینے کے آداب اور کرسی میز پر کھانا کھانا

سوال:۔

1۔ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

2۔ کھڑے ہو کر پانی پینا شریعت میں کیا درجہ رکھتا ہے؟

3- کھانے کو جب وہ گرم وغیرہ ہو پھونک مار کر ٹھنڈا کرنے یا صاف کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

4.۔ میز اور کرسی پر کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ سوال کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ان تمام مسائل کے بارے میں حدیث یا دیگر باتوں کے حوالے سے مختلف طرح کی چیزیں سامنے آتی ہیں اس لیے اگر جواب میں ان تمام باتوں کو ملحوظ رکھا جائے بہت مہربانی ہوگی۔

جواب:-

1- کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا مسنون ہے۔

2۔ بلا عذر کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے۔

3۔ کھانے، پینے کی چیزوں کو پھونک کر ٹھنڈا کرنا یا صاف کرنا ممنوع ہے۔

4۔میز کرسی پر کھانا کھانا خلاف سنت ہے۔

گمشدہ چیز کے احکام

سوال:۔عرض ہے کہ میں جس ادارے میں کام کرتا ہوں وہاں پر لوگوں میں ایک رسم ہے کہ اگر کسی بندے کی کوئی چیز گم ہو جائے مثلاً چابیاں ،موبائل فون یا کوئی بندہ مشین پر کام کرنے آیا ہے اور اپنا اوزار وہاں بھول گیا ہے اور اگر اس کے ساتھی کو یا کسی اور بندے کو وہ گم شدہ اوزار مل جائے تو یا تو اسے واپس نہیں کیا جاتا یا پھر اس بندے کو کوئی جرمانہ کیا جاتا ہے۔آپ سے مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب مطلوب ہے: 1۔اگر کوئی گم شدہ چیز ملے تو کیا کیا جائے؟2-اگر گم شدہ چیز کا مالک پوری کوشش کے باوجود نہ ملے پھر کیا کیا جائے؟3۔کیا کسی کی گم شدہ چیز کا استعمال جائز ہے؟4۔جس کی کوئی چیز گم ہوئی ہو اس کو واپس اس شرط سے کرنا کہ اس سے کوئی چیز کھائی جائے یا کوئی جرمانہ وصول کیا جائے یہ جائز ہے؟

جواب:گم شدہ چیز اگر ملے تو اس کے بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ اگر وہ چیز ایسی ہو جس کو اس کا مالک تلاش کرے گا تو اس چیز کو اس کے مالک تک پہنچانے کی نیت سے اٹھالے اور اگر یہ خطرہ ہو کہ اگر میں نہ اٹھاؤں گا تو کوئی اور اٹھا کر اپنے استعمال میں لے آئے گا اور اصل مالک تک وہ چیز نہیں پہنچے گی تو پھر ایسی صورت میں اس چیز کا اٹھانا واجب ہے۔

پھر یہ چیز اٹھا لینے کے بعد اس کے مالک کو تلاش کرنا اور اس کو یہ چیز پہنچانا واجب ہے اور جس مالیت کی چیز ہو اس کے برابر مدت تک مالک کو تلاش کرنا ضروری ہے مثلاً ایک ہزار کا نوٹ یا اس کی مالیت کی کوئی شے ملے تو اندازاً تین مہینے تک مالک کو تلاش کرے کیونکہ مالک عام طور سے اتنی مدت تک تلاش میں رہتا ہے۔اور مالک سے اس پر کوئی جرمانہ وصول کرنا یا کوئی اور شرط لگانا جائز نہیں۔مالک کو بہت تلاش کرنے کے بعد جب بالکل مایوسی ہو جائے تو اب یہ چیز کسی مستحق زکوۃ کو دے دے خود نہ رکھے البتہ اگر خود بھی مستحق زکوۃ ہو تو پھر رکھ سکتا ہے۔لیکن اگر کسی فقیر کو دیدینے یا فقیر ہونے کی وجہ سے خود استعمال کر لینے کے بعد اصل مالک مل گیا تو مالک اس چیز کی قیمت مانگ سکتا ہے اور اگر مالک خیرات کر لینے کو منظور کر لے تو یہ بھی ٹھیک ہے اور اس کو اس خیرات کا ثواب ملے گا۔

✻✻✻

اخبار الجامعہ

محمد سلیمان

 3 جون بروز منگل شعبہ حفظ سہ ماہی امتحان منعقد ہوا جس کے بعد عید الاضحیٰ کی تعطیلات ہوئی تعطیلات کے بعد 21 جون بروز ہفتے سے تمام شعبہ جات میں پڑھائی کا آغاز ہوا۔

 ہر سال کی طرح اس سال بھی ادارے کے ماتحت لاہور کے لیے اجتماعی قربانی کا انتظام کیا گیا الحمد للہ اس کے تمام مراحل علماء کی کرام کی نگرانی میں خوش اسلوبی سے ادا کیے گئے، حصہ داران نے اجتماعی قربانی پر اطمنان کا اظہار کیا۔

 ہر سال کی طرح اس سال ادارے کے ماتحت شمالی علاقہ جات میں وقف قربانی کا اہتمام کیا گیا جس میں ہزاروں غرباء اور سینکڑوں خاندانوں میں گوشت تقسیم کیا گیا۔ الحمد للہ اس کے تمام مراحل کو خواش اسلوبی سے پورا کیا گیا۔

 ہر سال کی طرح اس سال بھی سکول، کالج کے طلبہ کے لیے گرمیوں کی تعطیلات میں سمر کیمپ کا 40 روزہ سلسلہ ادراے کی تمام شاخوں میں جاری ہے، طلبہ اور طالبات کے سہولت کے پیش نظر سمر کیمپ آن لائن کا بھی آغاز 7 جولائی بروز پیر سے آغاز کیا جا رہا ہے، سمر کیمپ آن لائن پڑھنے کے خواہشمند حضرات (03224454447) پر اپنی رجسٹریشن کروالیں تا کہ جلد از جلد اس کا بہتر نظم بنایا جا سکے۔

 24 جون کو مرکزی شوریٰ اور نائب شوریٰ کے معزز اراکین کا ایک اہم مشاورتی اجلاس منعقد ہوا، جس میں ادارے کی ہمہ جہت ترقی، کارکردگی میں بہتری اور انتظامی اُمور سے متعلق اہم نکات زیرِ غور آئے۔ مشورے میں ہونے والے تمام طے شدہ امور کو ترتیب دے کر تمام ذیلی شاخوں کو سرکلر کی صورت میں بھیجا گیا، تاکہ ادارے کے تمام ناظمین ان رہنما نکات کی روشنی مزید احسن انداز میں کام کر سکیں۔

 شعبہ کتب درس نظامی بنین میں سہ ماہی امتحان 24 جولائی بروز جمعرات سے شروع ہو کر 30 جولائی تک جبکہ شعبہ بنات میں 23 جولائی تا 30 جولائی تک جاری رہے گے۔

***

جامعہ دارالتقویٰ
کے زیر اہتمام

ONLINE

برائے طلباء وطالبات

دینی و تعلیمی سمر کیمپ 2025

دورانیہ

40 روزہ | پیر تا جمعرات | صبح 10:30 تا 12:00 (پاکستانی وقت)

نصاب

- تفسیر القرآن
- احادیث نبویہ
- عقائد
- مسنون دعائیں
- تجوید

آغاز	فیس	کلاس
07 جولائی بروز پیر	مناسب فیس	Via ZOOM App

کورس مکمل کرنے والوں کو سرٹیفکیٹ دیا جائے گا

رجسٹریشن کے لیے رابطہ نمبر
0322-4454447

دارُالتقویٰ

دارالتقویٰ کورسز کیلئے رابطہ

+92 322 4454447 | taqwacourses@gmail.com

taqwacourses

MONTHLY DAR-UL-TAQWA LAHORE CPL NO. 338